سچل سرمست
رحمۃ اللہ علیہ

کلام اور اردو ترجمہ

الفیصل

سچلؒ سرمست

سندھی، پنجابی، فارسی اور اُردو کلام

اُردو ترجمہ

شفقت تنویر مرزا

زیرِ اہتمام

مشترکہ اشاعتی پروگرام

Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Urdu Translation
Shafqat Tanveer Mirza

Executive Editor/Publisher
Khalid Javaid

Editor
Mazhar Ul Islam

Title Designed
Athar Rasul

Publication Officer
S. Muhammad Ali

A Joint Venture of
Lok Virsa, Islamabad
and
Al-Faisal Nashran Lahore.

Al-Faisal Nashran
Ghazni Street, Urdu Bazar,
Lahore, Pakistan.
Ph: 042-7230777

Garden Avenue, Shakarpariar.
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

سندھ کی ہیروئن ماروی کے نام

جسے عمر سومرو کے شاہی محل میں نہ
اپنا ریگ زار بھولا اور نہ اپنے غریب مارو

ترتیب

☆......☆......☆

پبلشر نوٹ

پاکستان گوناں گوں تہذیبی وثقافتی روایات کے ساتھ ساتھ دنیا کی عظیم اور گرانقدر صوفیانہ روایات کی امین سرزمین بھی ہے۔ جہاں صوفیاء کرام نے تہذیب وثقافت کے فروغ اور اخلاقی و روحانی تربیت کا ایک ایسا تسلسل قائم کیا جو ہزار سال کے طویل عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔

صوفیائے کرام نے برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے لئے اُن کے پاس اقتدار کی طاقت تو نہ تھی مگر اخلاق اور عوامی روایات کا وہ خزانہ ضرور تھا جس نے انہیں عام لوگوں میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز کر دیا کہ آج صدیوں بعد بھی اُن کی تعلیمات، اُن کی شاعری اور اُن کی اخلاقی و روحانی قدروں کا عکس ہماری زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ سچل سرمست کی اعلیٰ اخلاقی قدروں نے ہی انہیں سچل کہلوایا، روایت ہے کہ آپ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اسی لئے بچپن ہی سے آپ کا نام سچویا سچل پڑ گیا تھا۔

سید علی ہجویری کا کہنا ہے کہ جو شخص خوش گوار آواز اور نغمہ وترنم کو پسند نہیں کرتا وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا اس میں حس لطیف بالکل مفقود ہے۔ ایسا آدمی اپنی بے حسی اور کور ذوقی کے باعث جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

سچل سرمست کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے، اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر لکھ لیتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ ”یہ کسی کہنے والے نے کہا ہو گا مجھے کچھ یاد نہیں“۔

مرزا علی قلی بیگ نے ایک جگہ سچل سرمست کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر آپ نے اپنے سب مسودوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام سے متعلق شک پیدا ہو گیا تھا کہ

کہیں لوگ اس کا غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے حلقہ بگوشوں اور عقیدتمندوں کے اصرار پر آپ نے اپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ عقیدتمندوں کو جو کلام یاد تھا وہ اُسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق آپ کی کل کافیوں کی تعداد نولاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھی۔

لوک ورثہ نے صوفیائے کرام کی اس گرانقدر ثقافتی میراث کو بچانے، اسے آگے بڑھانے اور آنے والی نسلوں کو اس سے روشناس کرانے کے لئے ثقافتی معلومات کو باقاعدہ ڈاکومنٹ کرنے اور اسے کتاب کی صورت میں محفوظ کرنے کے لئے اشاعتی پروگرام کا آغاز کیا اور پہلی بار لوک ادب، لوک گیت، لوک داستانیں، ثقافتی معلومات، ثقافتی فنون، صوفیاء کے کلام اور حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا اور ثقافتی موضوعات پر سینکڑوں کتابیں شائع کیں۔ خاص طور پر صوفیاء کے حوالے سے ان کے حالات اور شاعری پر مشتمل کتابوں کی ایک سیریز کا سلسلہ شروع کیا جس کے تحت اب تک ۳۵ سے زائد کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔

کتاب کی اہمیت اور اس سے متعلقہ جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے لوک ورثہ کے اشاعتی پروگرام کو مزید موثر، وقت کے تقاضوں کے مطابق اور دلچسپ بنانے کے لئے نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ان کتابوں کو نہ صرف ان کے مواد، تصاویر اور طباعت کے لحاظ سے جاذب نظر بنانے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ ان کی منظم مارکیٹنگ کے لئے نجی ادارے کی شراکت سے ایسا نظام ترتیب دیا کہ کتاب شائع ہوتے ہی نہ صرف ملک بھر میں دستیاب ہو بلکہ اس کی موثر تشہیر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کی جائے۔ اس سلسلے میں لوک ورثہ میسرز الفیصل ناشران لاہور کے محمد فیصل صاحب کا مشکور ہے کہ انہوں نے ادارے کے مشترکہ اشاعتی پروگرام میں شامل ہو کر اس کام میں ہماری معاونت کا فیصلہ کیا۔

قبل ازیں ''سچل سرمست'' کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ صوفیائے کرام اور ان کے حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت ہماری ترجیحات میں شامل ہے اور اس سلسلے میں لوک ورثہ اب تک خاطر خواہ کام کر چکا ہے۔

خالد جاوید
ایگزیکٹو ڈائریکٹر

سچل سرمستؒ کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ان کے آباؤاجداد
پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت
عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ ان کے آبا و اجداد سیوستان یا سیہون کے حکمرانوں میں تھے اور
محمود غزنوی کے عہد تک سیہون پر حاکم رہے مگر خود سچلؒ کے لئے یہ باتیں کوئی زیادہ اہمیت
نہیں رکھتیں، ان کے لئے اپنے خانوادے میں سے سب سے اہم ان کے دادا خواجہ
محمد حافظ عرف میاں صاحب ڈِنہ اور اس کے بعد ان کے مرشد چچا اور سسر خواجہ
عبدالحقؒ جو حضرت صاحب ڈنہ کے سجادہ نشین ہوئے، خواجہ محمد حافظؒ کا ذکر حضرت
سچل سرمستؒ نے فارسی، پنجابی اور سندھی تینوں زبانوں میں بڑے اہتمام سے کیا ہے
پنجابی میں اپنا تعارف لکھا اور بات حضرت صاحب ڈنہ سے شروع کی۔ فارسی میں مثنوی
"تارنامہ" میں خواجہ محمدؒ حافظ کی زندگی میں انقلاب لانے والا واقعہ بھی تفصیل سے درج کیا
خواجہ محمدؒ حافظ فاروقی خاندان کے کامل ولی اور بلند پایہ شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ

سنہ ۱۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی (سندھی کے مشہور بزرگ اور شاعر شاہ لطیف بھٹائی، خواجہ محمد حافظؒ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب کی پیدائش سنہ ۱۱۰۲ھ/ سنہ ۱۶۸۹ء اور وفات سنہ ۱۱۶۵ھ/ سنہ ۱۷۵۲ء ہے) اس زمانے میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ یہ حکومت محمد حافظؒ کی نوعمری میں قائم ہوئی اور ان کے انتقال کے چند سال بعد تک قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سندھ پر سے مغلوں کی حکمرانی کا طویل دور ختم ہوا۔ اس دور کا خاتمہ محمد حافظ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کلہوڑوں کے سورج کا طلوع وغروب بھی دیکھا۔ محمد حافظ کلہوڑوں کے عہد میں ممتاز عہدے پر فائز تھے اور ان کا قیام بکھر یا سکھر کی انتظامیہ کے تحت خیرپور کے نواح میں ہی تھا۔ روائت ہے کہ ایک بار آپ اپنے ماتحت افراد اور نوکروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کسی دورے پر جارہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب عورت بی بی بصری نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں روک لیا اور کہا کہ انہیں تو بارگاہِ ایزدی سے حقیقی بادشاہت عطا ہوئی ہے وہ دنیا کے دھندوں میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ بی بی بصری کی اس بات نے ایک دم ان کے دل و دماغ میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی، غالباً ذہنی طور پر وہ دنیاوی انتظامیہ سے وابستگی کو پہلے بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ بی بی بصری انہیں مکمل قطع تعلق تک لے گئیں اور محمد حافظؒ نے اسی دم اپنے گھوڑ سوار ساتھی، تزک واحتشام اور جاہ ومراتب کو خدا حافظ کہا اور جنگل کی راہ لی۔ روائت کے مطابق جنگل میں شیر کا غار تھا۔ خواجہ محمد حافظؒ نے تنہائی کی زندگی اختیار کی اور اس غار میں عبادت میں مستغرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے مسلسل وہاں چالیس چلے کاٹے یعنی اس غار میں انہوں نے کم وبیش ساڑھے چار سال بسر کر دیئے۔ اسی اثنا میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے

ایک بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ تشریف لائے اور غار کے منہ پر کھڑے ہو کر آواز دی "اب خربوزہ پک چکا ہے باہر تشریف لائیں تاکہ خلق خدا آپ سے مستفیض ہو"۔ خواجہ محمد حافظؒ یہ سن کر باہر آگئے۔ خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے فرمایا "یہ فیض آپ کے جدِ امجد خواجہ ابوسعید فاروقیؒ کا عطا کردہ ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں"۔

خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے رخصت ہونے سے پیشتر آپ کو خاص طور پر تین نصیحتیں کیں (۱) آپ کے ہاں دو بیٹے ہوں گے ان میں سے چھوٹے بیٹے کو گدی سپرد کرنا کیونکہ بڑے لڑکے میں سے ایک سرمست پیدا ہوں گے وہ لاولد ہوں گے لیکن چھوٹے بیٹے کی پشت قائم رہے گی (۲) آپ کے خاندان کا ہر فرد اپنے سجادہ نشین کو اپنا مرشد بنائے گا۔ کسی دوسری درگاہ کا مرید نہیں ہوگا (۳) آپ اور آپ کی وفات کے بعد جو بھی سجادہ نشین ہوگا وہ اپنی درگاہ کی حدود سے باہر نہیں جاسکتا۔

آخری ارشاد سن کر خواجہ محمد حافظؒ رنجیدہ ہوئے اور عرض کی کہ اگر مجھے سرورِ کائناتؐ کے روضے کی زیارت کا اشتیاق ہو تو میں کیا کروں، خواجہ عبیداللہ نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو تمہاری درگاہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی جس میں دوسرے اولیاء کرام بھی موجود ہوں گے تمہیں حضورؐ کی خاطر کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، سچل سرمستؒ کے خلیفہ اور سندھی شاعر نانک یوسف فقیر نے کہا ہے۔

حکم ایھو دنگا ھوت مولیٰ قادر قدس کرار و تھي

شاہ قطب جیلاني جي شوقئون طبل نیھہ نقارو تھي

روز کچھري پیغمبر جي شہ درازن وارد تھي

یہ حکم بارگاہِ ایزدی سے جاری ہوا اور شاہ قطب جیلانی نے کہا کہ درازا شریف میں

روزانہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی۔

روائت سے قطع نظر درازا شریف کی اہمیت کا آغاز بھی بڑی حد تک خواجہ محمد حافظؒ سے اور انتہا بھی انہی سے ہے۔ درگاہ سے باہر نہ جانے کی روائت ڈیڑھ سو سال سے زیادہ تک جاری رہی مگر اب یہ روائت ترک کر دی گئی ہے، خواجہ محمد حافظؒ نے بعد میں ایک مرحلہ پر عبیداللہ جیلانیؒ کی دوسری ہدایت کے بارے میں اپنے دونوں بیٹوں کو آزمایا۔ روائت ہے کہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے میاں صلاح الدین کو حکم دیا کہ فلاں درخت کے قریب میرا لوٹا رکھا ہے وہ لے آؤ میاں صلاح الدین جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خون کا ایک دریا موجزن ہے جسے دیکھتے ہی ان کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی اور فوراً واپس آ گئے اس کے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے میاں عبدالحق سے لوٹا لانے کے لئے کہا انہیں بھی خون کا دریا ہی نظر آیا مگر وہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور دریا میں کود گئے تو وہاں کوئی دریا نہ تھا وہ لوٹا لے کر واپس اپنے والد کے پاس آ گئے اس واقعہ کے بعد خواجہ محمد حافظؒ نے میاں عبدالحق کی سجادہ نشینی کا اعلان کر دیا۔

سچل سرمستؒ کے تقریباً تمام سوانح نگار خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیف بھٹائی کی ملاقات کے بارے میں متفق الرائے ہیں تاہم تفصیل میں اختلاف ہے شاہ لطیف بھٹائیؒ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر کئی برس جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ سندھ کے دور دراز علاقوں میں گھومتے رہے۔ لس بیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاواڑ، جیسلمیر اور ملتان کی سیر و سیاحت کی اور اپنے وقت کے مشہور اولیائے کرام سے مستفیض ہوئے۔ یہ سارا سفر انہوں نے پیدل ہی کیا تھا۔ یہ روایت مخدوم غلام محمد کھہڑا (تحصیل گمبٹ ضلع خیرپور) سے منسوب ہے کہ حضرت شاہ لطیف بھٹائیؒ کھہڑا

شہر کی طرف جارہے تھے کہ درازا شریف سے گذرے۔ میاں صاحب ڈنہ اس وقت ایک غار میں چلہ کشی میں مصروف تھے۔ حضرت شاہ لطیفؒ نے فرمایا "ہمیں اس جگہ سے ایک پکے خربوزہ کی خوشبو آرہی ہے"۔ ایک اہلِ دل درویش شاہ لطیفؒ کے اشارے کو سمجھ گیا اور عرض کی کہ پہلو کی جھاڑیوں میں خواجہ محمد حافظؒ چلہ کشی میں مصروف ہیں یہ سن کر شاہ لطیفؒ غار کے اندر گئے اور خواجہ محمد حافظؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ "اب محبوب کو چھپانا اچھا نہیں، چلو باہر چلیں۔ اس طرح شاہ لطیفؒ، خواجہ محمد حافظؒ کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے اور دونوں بزرگ اوتارہ (فقیروں کی جھونپڑی) میں بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے۔

ایک دوسری روائت ہے کہ کھہڑا شہر میں چنیہہ نام کا ایک شخص اُجن قبیلے سے تھا وہ خواجہ محمد حافظ ڈنہؒ کا خاص مرید تھا۔ چلہ کشی کے دوران ہر روز ان کی خدمت میں دودھ لے کر آیا کرتا تھا۔ جس روز غار میں خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیفؒ گفتگو کر رہے تھے چنیہہ فقیر بھی دودھ لے کر آ گیا۔ غار کے اندر جانے لگا تو خواجہ محمد حافظؒ نے دیکھ لیا اور دور سے آواز دی کہ چنیہہ آج یہاں آگ جل رہی ہے اندر مت آنا مگر چنیہہ کو تو اسی آگ کی تلاش تھی وہ درّانہ اندر چلا گیا۔ خواجہ محمد حافظؒ اس کی ہمت اور جرأت سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "چنیہہ آج تیرے نام سے "چ" کا حرف نکل گیا، بس اب تو "نیہہ" یعنی سراپا عشق ہے"۔ اس کے بعد چنیہہ درویشِ کامل بن گئے اور ان کی اولاد میں پشت ہا پشت تک فقیر اور درویش گذرے ہیں۔ ان کی اولاد کھہڑا شہر میں ہے۔

خواجہ محمد حافظؒ صاحبِ کرامات بزرگ تو تھے ہی مگر تصوف کے سلسلہ کی روایات کے مطابق سندھی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ شاعری افکار کی تبلیغ کا ذریعہ تھی اور تبلیغ چونکہ

عام انسانوں یعنی عاموں میں مقصود تھی اس لئے انہوں نے اس علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کا سہارا لیا ان کی ایک پنجابی کافی ہے۔

صورت بشری کر کے بہانہ ہر رنگ دے وچ رنگ رچائم
یعقوب ہو کے بیٹھڑا جائم یوسف اپنا نام دھرائم
آپ کو آپے کھوہے پائم قیدی ہو کے در کنعان
آپے اپنا ئل چکائم

حیدر بن کے حملہ کیتم ہو کے حسن میں زہر چا پتیم
نال نیازی دے نالڑا نیتم چھوڑ مدینہ، ملک، مکان
کربل دے وچ کندھڑا کیائم

کداں شریعت دے وچ شادی کداں معرفت کراں منادی
کداں حقیقت دا اہاں ہادی کداں طریقت کر طولان
ہر مظہر دے وچ حکم ہلائم

مخفی بھی میں ہوں ظاہر بھی میں ہوں ناظر تے منظور بھی میں ہوں
تجلی بھی میں ہوں طور بھی میں ہوں موسیٰ نوں چا کرمستان
صاحب ڈنہ ہی نام سڈائم

سچل سرمست ؒ کے بزرگوں میں سے سچل ؒ کے لئے جو سب سے زیادہ واجب الاحترام بزرگ تھے وہ یہی خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہ ؒ تھے۔ اس کے بعد خواجہ عبدالحق ؒ کا مقام آتا ہے۔ سچل ؒ کے دل و دماغ پر خواجہ محمد حافظ ؒ چھائے رہے اس لئے ان کی شاعری پر بھی خواجہ ؒ کے افکار کے گہرے سائے ہیں۔ مندرجہ بالا کافی سچل ؒ کے سلسلہ شاعری کی ہی

ایک کڑی نظر آتی ہے یا یوں کہیئے کہ سچلؒ کی ساری شاعری اس کافی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں
انہی کے حوالے سے سچلؒ کے لئے درازا دنیا کا سب سے اہم مقام بھی بن گیا۔ مدینہ سے
درازا تک صدیوں پر پھیلا ہوا سفر سچلؒ کی شاعری میں قدم قدم پر اپنا رنگ دکھاتا ہے
اس لئے ضروری ہے کہ اس طرف بھی ایک روزنِ در سے دیکھ لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے
شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز پورے خاندان کے ساتھ حجاز سے ہجرت کر کے عراق میں
آ گئے ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء میں جب عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی
کمان میں سندھ کو مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا تو شیخ شہاب الدین کو جو اپنے عہد کے اہم مدبر
اور سیاستدان تھے اس نوجوان سپہ سالار کے ہمراہ مشیر کی حیثیت سے بھیج دیا کیونکہ جب
سندھ پر مسلمانوں کو پہلے حملے میں شکست ہوئی تو شیخ شہاب الدین نے ہی حجاج بن
یوسف کو مشورہ دیا تھا کہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بڑے بڑے
عالموں کو بھیجا جائے۔ غالباً اسی تجویز کی بنا پر حجاج بن یوسف نے شیخ شہاب الدین فاروقی
کو محمد بن قاسم کے ہمراہ بھیجا۔

سندھ پر مسلمانوں کے غلبہ کے بعد شیخ شہاب الدین نے محمد بن قاسم کو لوگوں
کی آسودگی اور خوشحالی کے لئے مفید اور کارآمد مشورے دیئے۔ جس سے ایک طرف
مسلم فوج کو کچھ فوائد ہوئے تو دوسری طرف سندھ کے عوام کو نئے مذہب میں کشش
نظر آنے لگی۔ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد کے پاس) کے راجہ پر
حملہ کرنے سے پہلے ایک سفارتی دستہ روانہ کیا جس کی قیادت شیخ شہاب الدین کر
رہے تھے۔ اسی طرح محمد بن قاسم نے حملہ سے پہلے جو سفارتیں دوسرے راجاؤں کو

بھیجیں وہ بھی شیخ شہاب الدین کی سربراہی میں بھیجی گئیں۔ شیخ کی سفارتی صلاحیتوں نے بڑا کام دکھایا۔ اس طرح شیخ کے سندھ والوں سے گہرے تعلقات قائم ہوئے ان کی شہرت عام ہوئی۔

روایت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے سیوستان (سیہون) فتح کیا تو شیخ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تھوڑی سی مدت میں انہوں نے اپنے نظامِ حکومت اور اپنی قابلیت کے باعث حکومت مستحکم کر لی مگر جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ انہیں سیہون میں ہی دفن کیا گیا ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد فاروق سیہون کے حاکم ہوئے اور اس کے بعد اس علاقے کی حکمرانی اسی خاندان کے پاس رہی۔

سندھ پر سلطان محمود غزنوی کے حملے کے بعد یہ خاندان سیہون کی حکمرانی سے سبکدوش ہوا۔ تاہم سلطان نے اس خاندان کی جاگیر مقرر کر دی۔ ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے مخدوم نورالدین تھے جن کے چار فرزند تھے۔ ابوسعید، بدرالدین رکن الدین اور ضیاءالدین۔ ان میں سے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین سیہون سے ہجرت کرکے گاگڑی کے علاقے میں آ گئے یہ دونوں بھائی مخدوم جمارؒ کے مرید ہوئے جو مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جمارؒ کا مقبرہ رانی پور سے مشرق کی جانب دو میل کے فاصلے پر ہے۔ "رسالہ بیچل سرمست" کے مؤلف مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ جس وقت مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ سندھ تشریف لائے تو ان دونوں بھائیوں (ابوسعید اور بدرالدین) کی یہ حالت دیکھی کہ جنگلی گھاس کے دانوں (ڈُتھ) پر گذر اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ بہاؤالدینؒ نے ان دونوں کو "ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔

مخدوم جمالؒ کا مزار گڈیجی میں ہے اور ابو سعید کا موسیجی میں جو رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر ہے "سچل جو سرائیکی کلام" کے دیباچے میں مولانا محمد صادق رانی پوری لکھتے ہیں" مخدوم ابو سعید کی اولاد موسیجی سے ہجرت کر کے شہر رانی پور میں آکر آباد ہوئی۔ ان میں قاضی محمد شریف ایک زبردست عالم، محدث، صاحب کشف و کرامات اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی مسجد جو کسی زمانے میں جامع مسجد تھی۔ اس وقت بھی رانی پور کے سرکاری ہسپتال سے شمال کی طرف پچاس گز کے فاصلے پر واقع ہے اس مسجد کے قریب جنوب کی طرف مخدوم محمد شریف اور ان کے رشتہ داروں کے مزار ہیں۔ مسجد کے نزدیک مشرق کی طرف ایک پکا کنواں ہے۔ کنوئیں کے مشرق کی طرف ایک وسیع قلعے کے اندر انہی فاروقی بزرگوں کے مکانات تھے۔ جن میں حضرت پیر صالح شاہ گیلانی کے ملازم رہا کرتے تھے۔

آغا غلام نبی صوفی نے اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھا ہے کہ "سیہون میں رہ رہ کر آخر اس فاروقی خاندان کا آب و دانہ تبدیل ہوا۔ زمانہ نے اپنی نیرنگیاں دکھانا شروع کر دیں۔ اور یہ خاندان سیہون کو خیرباد کہہ کر خدا آباد میں جا کر مقیم ہوا۔ لیکن فلک نے انہیں وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ بعد میں وہ سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے تھر میں جا آباد ہوئے اس منتقلی کا خاص سبب معلوم نہیں تاہم ان دنوں خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی وہاں تشریف لائے اور اپنے خلیفہ مخدوم جمالؒ کے ذریعے مخدوم ابو سعید اور مخدوم بدرالدین کو "ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔ گڈیجی کے قصبہ میں اس خاندان کے خواجہ احمد فاروقی گذرے ہیں۔ غالباً کلہوڑوں سے بھی پہلے مغلوں کے عہد میں انہیں گمبٹ اور رانی پور میں جاگیریں دی گئیں۔ روایت ہے کہ فاروقی خاندان نے وہ جاگیریں دو خادموں کو آباد کرنے کے

لئے دے دیں ان کے نام درآزا اور کاجن تھے دونوں کا تعلق ونڈیر قبیلے سے تھا درازونڈیر کے نام پر درازا کا قصبہ آباد ہوا۔ اسی نسبت سے سچل سرمست درازی کہلائے۔

قاضی علی اکبر درازی اپنی کتاب "دولہا درازی" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ محمد حافظؒ کے فیض روحانی کا شمسِ کمال عالم آشکار ہوا اور کئی مرید اور عقیدت مند آپ کے فیض سے بہرہ در ہونے لگے۔ تو گرد و نواح کے شہروں یعنی گمبٹ اور رانی پور کے جیلانی سادات کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور فوراً میاں صاحب ڈنہ کو کہلا بھیجا کہ دو شیر ایک جنگل میں کبھی نہیں رہ سکتے۔ خواجہ محمد حافظ نے جواباً یہ عرض کی کہ "ہم آپ کے جدِ امجد حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات کے مطابق یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور ہمیں آپ کی بزرگی کا بڑا احترام ہے لہذا آپ کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔" میاں صاحبؒ ڈنہ کے اس پیغام پر پیر صاحبان نے فرمایا "اچھا آج رات ان تمام باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان بڑے باکمال ولی اللہ تھے اور جب رات ہوئی تو ان دونوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے باطنی حضور میں حاضر ہو کر دیکھا کہ "سبحان اللہ! حضرت پیر دستگیر نے اپنے ایک گھٹنے پر اپنے ایک صاحبزادے کو بٹھا رکھا ہے اور دوسرے گھٹنے پر خواجہ محمد حافظؒ بیٹھے ہیں۔ حضرت پیر دستگیر نے گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا " بیٹا! یہ محمد حافظ ہماری نظرِ فیض کا فرزند ہے اور ہمیں بہت پیارا لگتا ہے۔" پیر صاحبان نے جب حضرت غوث پاک کی بارگاہ میں خواجہ محمد حافظ کا اتنا بڑا مرتبہ دیکھا تو ان سے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور آج تک ان تینوں درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور عقیدت مندوں

کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔ "سچل سرمست" کے مصنف حاکی خیرپوری کا خیال ہے کہ خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہ کی درگاہ گمبٹ اور رانی پور کی درگاہوں سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ جیلانی سادات میں سے سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ دونوں مخدوم احمد کھہڑا کے یہاں مقیم رہے تھے اور جیلانی سادات نے انہی کی وساطت سے رانی پور اور گمبٹ میں درگاہیں قائم کی تھیں۔

فاروقی خاندان کے اس پس منظر اور روایات میں خواجہ عبدالوہاب سچل سرمستؒ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء خواجہ محمد حافظؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے گھر درازا میں پیدا ہوئے اس وقت خواجہ محمد حافظؒ کی عمر ۵۱ برس تھی۔ ان کی وفات کے وقت سچل سرمستؒ کی عمر ۲۶ برس تھی۔ جب کہ شاہ لطیف بھٹائیؒ سچل سرمست کی پیدائش کے چودہ برس بعد انتقال کر گئے۔ سچل سرمست کی پیدائش کے وقت مغلوں کی حکومت کو ختم ہوئے چالیس برس ہو چکے تھے اور چالیس برس سے کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ خواجہ عبدالحق سچل کی پیدائش کے وقت ۳۲ برس کے تھے ۷۰ سال کی عمر میں خواجہ محمد حافظؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سچل سرمستؒ صرف چھ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سچل سرمستؒ نے کلہوڑوں کے دور میں آنکھ کھولی اور پھر تالپوروں کا پورا عہد دیکھا اور زندگی کے آخری ایام میں انگریزوں کو "ہندسندھ" پر حاوی ہوتے محسوس کیا۔ سندھ میں ولندیزیوں کی آمد و رفت بھی ان کے سامنے رہی کلہوڑوں کے عہد میں سندھ کی سیاسی اکائی اور پھر تالپوروں کے نصف عہد میں سندھ کی وحدت کو دیکھا مگر ان کی زندگی میں ہی سندھ تالپوروں کے تحت تین وحدتوں میں تقسیم ہو گیا ان میں ایک وحدت کے حکمران خیرپور کے تالپور تھے جو درازا کی گدی

کے معتقد تھے۔

روایت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پیدائش کے بعد شاہ لطیف بھٹائیؒ درازا شریف تشریف لائے۔ خواجہ محمد حافظؒ نے خواجہ عبدالحق، سچل سرمست اور خواجہ عبدالحق کے فرزندوں کو شاہ لطیفؒ بھٹائی کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کیا۔ شاہ لطیف نے سچل کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ دیا کہ "ہم نے جو خم چڑھایا ہے اس کا ڈھکنا یہ بچہ اتارے گا"۔ سندھی ادبی دنیا اس پیش گوئی کو ایک تاریخی حقیقت سمجھتی ہے ہر چند بعض محققین کا خیال ہے کہ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ بہر حال سچل سرمستؒ وہی کچھ ثابت ہوئے جو شاہ نے کہا تھا۔

روائت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پرورش ایک نیک سیرت دایہ کے سپرد کی گئی جو شیدی (حبشی) قوم سے تھی اور حضرت سچل سرمستؒ اسے پیار میں "کالی اماں" کہا کرتے تھے۔ ایک روز دایہ نے حضرت سچل سرمستؒ کو ہدایت کی کہ بیٹا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہت ضروری ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ نے جواب دیا۔ اماں اس لفظ میں تو اللہ کا نام آخر میں آتا ہے آپ مجھے وہ لفظ سکھائیے جس میں اللہ کا نام سب سے پہلے آتا ہو۔

سچل سرمستؒ کو ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے سب سے پہلے حافظ عبداللہ قریشی صدیقی کے پاس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن مجید از بر کر کے حافظ اور قاری بن گئے۔ ان کے استاد کی تربت بھی آپ کے مقبرے کے سامنے صحن میں موجود ہے اپنے استاد کی وفات پر خود سچلؒ نے مادۂ تاریخ نکالا اور یہ قطعہ اپنے استاد کی لوح پر لکھوایا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد سچل سرمستؒ کو

خواجہ عبدالحق نے خود فارسی پڑھانا شروع کی۔ علوم عربیہ متداولہ کی تحصیل کے ساتھ علم تصوف و معرفت کی بھی تکمیل کرائی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ علاقہ میں عام لوگ اسی کارن انہیں خلیفہ سچل بھی کہتے ہیں۔ خود سچلؒ نے اپنا استاد اور مرشد خواجہ عبدالحقؒ کو ہی کہا ہے اور چاروں زبانوں میں خواجہ عبدالحقؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

سچل سرمستؒ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو کچھ بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اس لئے بچپن سے ان کا نام سچو یا سچل پڑ گیا۔ تن تنہا رہنا عادت تھی۔ جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے، خموشی، صبر اور فکر ان کا فطری سرمایہ تھا۔ ایامِ جوانی میں باجماعت نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے زیادہ تر وقت درود و وظائف میں مشغول رہتے تھے، اسی اثنا میں خواجہ عبدالحقؒ نے اپنی دختر نیک اختر سچلؒ سے بیاہ دی۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، سچلؒ زیادہ تر درازا میں ہی رہے ایک آدھ بار سکھر، روہڑی، شکارپور، لاڑکانہ اور قرب و جوار کے علاقوں میں گئے۔ روہڑی میں ان کی ملاقات قادر بخش بیدل سے ہوئی جو آپ کے بڑے معتقد تھے۔ سکھر اور شکارپور میں آپ کی ولائت و کرامت اور درویشی اور سخنوری کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور کئی لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آکر شامل ہوئے۔ لاڑکانہ میں عثمان فقیر چاکی کو فیض روحانی سے مستفیض فرمایا اور میاں محمد صالح کو سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرائیں۔

آپ کی جوانی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا جو بیل لئے جا رہا تھا، سچلؒ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اس نے جواب دیا "محبوب" آپ نے پھر پوچھا "کدھر جا رہے ہو"۔ بولا "مستی" (گاؤں کا نام) کی طرف۔ اس پر آپ نے دریافت کیا "کس کے پاس"۔ بولا "محبت کے پاس"۔ یہ سن کر سچلؒ

پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ جھوم جھوم کر کہنے لگے "سبحان اللہ، سبحان اللہ محبوب محبت اور مستی کی طرف جا رہا ہے۔" آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور اس آدمی کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود اس کا بیل پکڑ کر پیدل چل پڑے اور سارا راستہ کہتے گئے "واہ واہ سبحان اللہ، محبوب مستی اور محبت کی طرف جا رہا ہے" آخر آپ درازا پہنچ گئے اور وہاں اپنے نوکر سے کہا کہ اس آدمی اور بیل کو محبت کے پاس پہنچا آؤ۔ اس کے ساتھ آپ نے اپنا گھوڑا بھی اس شخص کو بخش دیا۔

عام روایت ہے کہ میرانِ خیر پور اور درازا کے فاروقی فقیروں کے ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ایک عاملِ دیوان جو حیدرآباد کے میر صاحبان کے یہاں ملازم تھا کسی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر خیر پور کے والی میر سہراب خان کے یہاں چلا آیا اور ان کا مختارِ کار ہوا۔ چند دنوں کے بعد اس نے سرکاری رقوم میں نادانستہ یا دانستہ طور پر خورد برد کی اور اسی الزام میں گرفتار ہوا۔ اس حیدرآبادی دیوان کے رشتہ دار صوفی فقیر میاں فضل اللہ جھوک شریف والے کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور سفارش کے لئے منت سماجت کی۔ صوفی فقیر نے انہیں ایک خط خواجہ عبدالحق رح کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا کہ "ہمارا ایک آدمی تمہارے ظالموں نے قابو کر رکھا ہے اسے فوراً آزاد کرا دو۔" حضرت خواجہ عبدالحق نے خط پڑھ کر اپنی دستار حضرت سچل سرمست رح کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ "جاؤ اور میران خیر پور سے حیدرآبادی عامل کو آزاد کرا کے لاؤ" سچل سرمست رح میر سہراب خاں کے دربار میں پہنچ گئے اور وہاں بندوقیں دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہیں؟" سب لوگوں نے جواب دیا کہ یہ بندوقیں ہیں اور ان سے شیروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ حضرت سچل رح نے فرمایا

کہ شیر کا شکار آسان بات نہیں، حاضر خدمتگاروں نے تکرار سے کام لیتے ہوئے کہا کہ "یہ بندوق صرف چند قدموں پر شیر کی دھجیاں اڑا دیتی ہے۔" اس پر سچل سرمستؒ کی طبیعت میں عجیب طرح کا جوش پیدا ہوا۔ آپ کے چہرے پر جلال کے کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے کہ میر سہراب خاں کے تمام صاحبزادگان اور حاضرین مجلس کو یوں محسوس ہونے لگا گویا سچ مچ شیر آکر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ سب ڈر کے مارے کانپنے لگے اور معافی کی درخواست کی۔ آخر ان صاحبزادگان کی سفارش پر حضرت سچل سرمستؒ کی منشا کے مطابق اس ہندو عامل دیوان کو فوراً قید سے آزاد کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ریاست خیرپور کے تمام میر صاحبان درازا کے فاروقی فقیروں کے بڑے معتقد بن گئے وقتاً فوقتاً زیارت کے لئے آتے اور نذر نیاز پیش کرتے۔ رشید احمد لاشاری نے لکھا ہے کہ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق جب سچل سرمستؒ نے وفات پائی۔ میر علی مراد خان نوعمر تھے۔ میر علی مراد خان کا اپنا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ نے میری آنکھوں پر بوسہ دیا تھا اور مجھے دعا دی تھی۔ اس واقعہ کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ ایک روز ریاست خیرپور کے چھوٹے بڑے میر صاحبان شکار سے واپس لوٹتے اور درازا کے قریب سے گذر رہے تھے حضرت سچل سرمستؒ اس وقت کنوئیں پر اپنے پورے جسم کو ملتانی مٹی لگائے نہانے کے لئے تیار تھے۔ سر پر پانی ڈالنے ہی والے تھے کہ بڑے میر صاحبان حضرت کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے مگر انہیں ملتانی مٹی میں لتھڑا ہوا دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹ گئے، نزدیک نہیں آئے دور کھڑے خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ میر مراد خاں جو سب سے

چھوٹے تھے اور سب سے آخر میں وہاں پہنچے تھے فوراً دوڑ کر سچل سرمستؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ سچلؒ بہت خوش ہوئے فوراً اٹھ کر میر علی مراد خاں کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور انہیں دعا دے کر بڑے میر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم ملتانی مٹی دیکھ کر مجھ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ ملتانی مٹی نہ تھی بلکہ جاہ و اقبال کی مہندی کا رنگ تھا جو اس چھوٹے میر صاحب (میر علی مراد خاں) کو لگ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سچل سرمستؒ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ۱۸۴۳ء میں (سچلؒ کی وفات کے صرف سترہ برس بعد) جب انگریزوں نے میرانِ سندھ سے حکومت چھین کر برطانوی پرچم لہرادیا تو تمام سندھ میں خیرپور ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں میر علی مراد خاں کی ریاست باقی رہ گئی۔

مرزا علی قلی بیگ نے حضرت سچل سرمستؒ کی شادی اور اولاد کے بارے میں ایک روایت درج کی ہے کہ والیٔ ریاست خیرپور میر رستم خاں (واضح رہے کہ رستم خان حضرت سچلؒ کی وفات کے چار برس بعد ۱۸۳۰ء میں میر سہراب خان کا جانشین مقرر ہوا تھا) کا فرزند میر حسن سخت بیمار تھا، میر رستم خان نے حضرت سچل سرمستؒ کو اپنے بیٹے کی دعا کے لئے اپنے پاس بلایا۔ سچل سرمستؒ نے میر محمد حسن کے لئے دعا کی اور وجد و مستی میں آکر میر رستم خان سے مخاطب ہوئے کہ "ہم اپنا فرزند تمہارے فرزند کے عوض اللہ میاں کے سپرد کرتے ہیں۔" سچل سرمستؒ ابھی خیرپور میں میر رستم خان ہی کے پاس تھے کہ اس کا فرزند میر محمد حسن تندرست ہو گیا۔ جب کہ سچلؒ کا بیٹا جس کا نام نیاز علی یا موجود علی تھا وفات پا گیا ـــــــ لیکن اس روایت میں کسی اعتبار سے بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔

رشید احمد لاشاری لکھتے ہیں "کتاب تذکرہ مخادیم کھہڑا (قلمی) میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ محکم دین سیلانی امیر (خانقاہ شریف بہاولپور) درازا شریف کے نزدیک

جنگل میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت سچلؒ سائیں ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے وقت حضرت محکم دین صاحب نے سچلؒ سائیں سے بغلگیر ہوتے ہی ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور فرمایا بس تمہارے لئے عشقِ الٰہی کا یہ ایک طمانچہ ہی کافی ہے اس روز سے سچل سرمستؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔" مولانا محمد صادق رانی پوری اور قاضی علی اکبر درازی دونوں اس روایت کی تردید کرتے ہیں کیونکہ انہیں سچلؒ کے کلام یا تحریروں سے اس کی تصدیق نہیں ملتی۔

فیض پانے کی روایات اپنی جگہ فیض یاب کرنے کی روایات میں بھی ایک منفرد رنگ ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ کے دربار سے وابستہ فقیر نانک یوسف گذرے ہیں جن کے والد کا نام مولوی محمد ہاشم تھا۔ سبی (بلوچستان) کے رہنے والے تھے۔ مگر وہاں سے شہر جھل مگسی آ گئے جہاں انہیں مفتی مقرر کر دیا گیا۔ ان کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مشہور ولی اللہ گوڈڑیا کے مزار پر آکر دعا مانگی۔ وہاں انہیں بشارت ہوئی کہ بیٹا ہوگا لیکن وہ اپنے زمانے کا منصور ہوگا۔ مولوی ہاشم کے گھر بیٹا ہوا، اس کا نام محمد یوسف رکھا گیا۔

محمد یوسف نے اپنے والدِ بزرگوار سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہو کر دستار بندی کی۔ رسمِ دستار بندی کے چند دنوں بعد ہی مولوی ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ محمد یوسف کو ان کی جگہ گدی نشین کیا گیا۔ عالم فاضل تھے، نیک دل تھے۔ اس لئے علم و کمال کی شہرت جلد ہی دور دور تک جا پہنچی۔ عالم فاضل سلامی کے لئے آنے لگے۔ اس کے باوجود محمد یوسف کے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں عالم، فاضل اور زاہد و عابد تو بن گیا لیکن اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ اس بے قراری میں شہر چھوڑ

کر جنگل کی راہ لی، جنگل میں چلّہ کشی کی اور بشارت ہوئی کہ فیضِ الٰہی حاصل تو ہوگا مگر اس جگہ سے جہاں صبح و شام نعرۂ منصوری بلند ہوتا رہتا ہے۔

محمد یوسف نے ایک سال میں متواتر تین بار چلّے کاٹے لیکن ہر مرتبہ یہی بشارت ہوئی آخر اس تلاش میں نکل پڑے۔ رانی پور سے ہوتے ہوئے درازا شریف کے قریب پہنچ گئے۔ تاہم رات کا وقت تھا راستہ بھول گئے اور رات بسر کرنے کے لئے بستی ڈھونڈنے لگے انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا قصبہ یا گاؤں ہے تاہم سماع کی آواز سن کر درگاہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد کے حجرے کے اندر ایک مردِ خدا مراقبے میں ہے اور دوسرے فقرا اس کے ارد گرد سماع میں مشغول ہیں۔ محمد یوسف نے اچھی طرح پہچان لیا، کہ منصوری نعرہ بلند کرنے والا مردِ مجاہد یہی شخص ہو سکتا ہے۔" یہ سوچ کر محمد یوسف بھی ان فقیروں کے ساتھ سماع میں شامل ہو گئے لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس مراقبے والے شخص نے فقیروں کو حکم دیا کہ اس نو وارد کو اسی وقت مسجد کے حجرے سے نکال دو۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انہیں مسجد کے حجرے سے باہر نکال دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر مسجد میں داخل ہوئے مگر مراقبے والے نے پھر مسجد سے نکالنے کا حکم دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تاہم جب تیسری مرتبہ محمد یوسف کو مسجد سے باہر پھینکا تو وہ بے ہوش ہو گئے مراقبے والے نے محمد یوسف کو جب بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تو کہا کہ اس کو ڈنڈا ڈولی کر کے شہر سے باہر پھینک دو۔ حسبِ ارشاد محمد یوسف کو سمتی تالاب کے قریب ایک درخت کے ساتھ ٹیک دلا کر پھینک دیا گیا۔ محمد یوسف اس

درخت کے ساتھ اس طرح ٹیک لگائے بیٹھے کہ ان کا منہ درگاہ شریف کی طرف رہا اسی طرح متواتر چند روز تک وہیں بیٹھے رہے اور کسی طرف بھی ہلے جلے نہیں۔

اس واقعہ کو چند روز گذر گئے تو حضرت سچل سرمستؒ جو دراصل مراقبے والے بزرگ تھے اپنے فقیروں کے ساتھ اس تالاب کے پاس سے گذرے اور اس درویش کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا۔ حضرت سچل سرمستؒ نے فقیروں سے فرمایا کہ جا کر دیکھو زندہ ہے کہ مر گیا ہے۔ فقیروں نے دیکھ کر عرض کیا کہ " قبلہ یہ بے چارہ مر گیا ہے"۔ سچلؒ نے ہنس کر فرمایا " یہ درویش آسانی سے مرنے والا نہیں بلکہ زندہ ہے"۔ فقیروں نے التجا کی کہ قبلہ یہ فقیر آپ کا سچا عاشق ہے اب تو اس پر نگاہ کرم ڈالئے۔ آپ نے فرمایا " اچھا اسے میرے پاس لے آؤ"، فقیروں نے فوراً اس کے قریب پہنچ کر آواز دی کہ " چلو تمہیں مرشد نے یاد فرمایا ہے"۔ فقیر یہ آواز سن کر اچھل کر اٹھا اور تندرستوں کی طرح خوشی خوشی پیدل حضرت سچل سرمستؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

حضرت سچل سرمستؒ نے محمد یوسف پر نظر عنایت فرمائی اور اسے اپنے روحانی فرزندوں میں شامل کر کے ریاضت کا حکم دیا۔ پہلے بارہ مہینے تو وہ لنگر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے رہے۔ روایت ہے کہ وہ ابھی لکڑیاں کاٹتے ہی رہتے تھے کہ لنگر ختم ہو جاتا تھا اور انہیں روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی حضرت سچلؒ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان سے لکڑیاں کاٹنے کا کام بند کرا دیا اور پانی بھرنے کا حکم دیا۔ بارہ ماہ تک محمد یوسف درگاہ کے لئے مٹکے بھرتے رہے۔ اس کے بعد مرشد نے کرم فرمایا اور انہیں اپنا خاص خدمتگار مقرر کیا۔

یوسف فقیر سے پہلے یعقوب فقیر بھی حضرت سچلؒ کی خدمت میں رہتے تھے روایت ہے کہ ایک روز سچلؒ اپنی خلوت گاہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے اچانک آواز دی کہ "یعقوب، یعقوب"۔ یعقوب فقیر اس وقت موجود نہ تھے۔ یوسف فقیر نے جواب دیا "یعقوب حاضر نہیں اس کا بیٹا یوسف حاضر ہے"۔ اسی طرح حضرت سچلؒ نے تین بار یعقوب کو آواز دی۔ یوسف فقیر نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر سچلؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب حال سے باہر آئے تو فوراً یوسف فقیر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امانت جب تمہیں حاصل ہونی تھی تو یعقوب کو کیسے دی جا سکتی ہے یوں مرشد کی ایک ہی نگاہ سے یوسف فقیر واصل باللہ ہوئے۔

مرشد سے مستفیض ہونے کے بعد یوسف کچھ عرصہ درازا میں ہی مقیم رہے۔ لیکن بعد میں حکم ہوا کہ رنگپور کی بستی میں بود و باش اختیار کرو۔ یوسف فقیر اسی بستی میں آکر مقیم ہوئے جسے آج کل یوسف فقیر جو گوٹھ یا اگڑا کہا جاتا ہے۔ روایت ہے ایک مرتبہ یوسف فقیر کو حضرت سچل سرمستؒ نے حکم دیا کہ فوراً چلے جاؤ اور امرتسر کی سیر کر کے آؤ۔ مرشد کے ارشاد کے مطابق یوسف فقیر نے حاجی عبداللہ فقیر، ڈھنڈھن فقیر، یلو فقیر اور اللہ داد فقیر کو اپنی رفاقت میں لیا اور سفر پر چل پڑے۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد امرتسر میں سکھوں کے دربار میں پہنچ گئے۔

یوسف فقیر نے امرتسر پہنچ کر خود کو 'گورو نانک' کہلانا شروع کر دیا۔ سکھوں کو ان پر بڑا غصہ آیا۔ سکھوں نے انہیں گھیر لیا اور فیصلہ ہوا کہ یوسف کو گستاخی کی سزا دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ ایک منصوبہ کے مطابق یوسف فقیر سے کہا گیا کہ گورو نانک کا

یہ معمول تھا کہ ہر روز تیل کی ایک کڑاہی آگ پر رکھواتے تھے اور جب تیل کھولنے لگتا تھا تو فوراً اس میں کود کر اشنان کرتے تھے۔ آپ اگر واقعی گورو نانک ہیں تو اپنے اس کارنامے کو دوبارہ کر دکھایئے۔ یوسف فقیر نے سکھوں کی اس تجویز کو فوراً قبول کر لیا۔ فوراً تیل کی کڑاہی چڑھائی گئی اور اس کے نیچے شعلے بھڑکنے لگے۔ جب تیل کھولنے لگا تو یوسف فقیر سے کہا گیا کہ اب خود کو گورو نانک ثابت کیجیے۔ یوسف فقیر جوش میں آکر تیل میں کودنے والے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور چند لمحوں کے اندر ابلتا ہوا تیل پانی کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ یوسف فقیر نے اس کڑاہی میں غوطے لگائے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

دھوپڑے میں دھپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گگا چھوڑ کے دوا دھو کے لَلّا، تتا، پپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

نانک یوسف عشق انوکھا مرشد میرا مکّہ

اس پر میری جان تصدق وہ عاشق کا تپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گانا ختم ہوا تو یوسف فقیر اشنان کر کے باہر نکلے یہ کرامت دیکھ کر سکھ بھی معتقد ہو گئے اب تک آپ صرف یوسف فقیر کہلاتے تھے اب نانک یوسف کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سچل سرمست رح انہیں یوسف کنعانی کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ نانک یوسف فقیر کے مرنے پر رو ہڑی کے فقیر قادر بخش بیدل نے قطعے کی صورت میں تاریخ وفات کہی۔

یوسفِ مصر جاں عزیز وجود جانب ملک جاوداں رفتہ

سال وصلش خرد بجست سروش گفت طایر بہ آشیاں رفتہ

۱۲۶۹ھ

حیدرآباد اور سندھ کے میر شیعہ تھے۔ چنانچہ خیرپور کے میروں کے بارے میں حیدرآباد کے میروں کو یہ اعتراض تھا کہ وہ سُنیوں اور وہ بھی فاروقیوں یعنی درازا والوں کے معتقد ہیں۔ قاضی علی اکبر درازی مصنف ''دولہا درازی کے دربار کے موتی'' میں لکھتے ہیں کہ حیدرآباد کے میر واحد بخش نے اس سلسلے میں خیرپور کے میر علی مراد خاں کو خط لکھا اور طعنہ دیا کہ تم شیعہ ہو کر درازا کے اہلِ سنت فاروقیوں کے معتقد ہو۔ علی مراد خاں نے واحد بخش کو لکھ بھیجا کہ سچل سرمستؒ بڑے کامل اکمل عارف ولی اللہ ہیں انہیں رب رسولؐ کے راز معلوم ہیں جو ان کا منکر ہے وہ مردود ہے۔ میر واحد بخش نے علی مراد خاں کو لکھا کہ ہم یوں نہیں مانتے بہتر ہوگا کہ سچلؒ کا کوئی فقیر ہمارے پاس بحث مباحثہ کے لئے بھیجو۔ یہ خبر سچل سرمستؒ کو بھی معلوم ہو گئی انہوں نے یوسف فقیر کو حیدرآباد میں میر واحد بخش کی کچہری میں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ فقیر یوسف اپنے دوسرے فقیروں کے ساتھ میر واحد بخش کی کچہری میں پہنچ گئے مگر وہاں میر واحد بخش نے ان فقیروں سے سخت بدسلوکی کی جس پر یوسف فقیر نے میر واحد بخش سے کہا کہ ''پگ گئی اور ٹوپی آ گئی''۔ یہ اشارہ تھا حیدرآباد کے میروں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں (ٹوپی والوں) کی حکومت کے آنے کا۔

میرپور کے پہلے حکمران میر سہراب خان (۱۷۳۰ء۔ ۱۸۳۰ء عہد حکومت ۱۷۸۴ء۔ ۱۸۳۰ء) درازا شریف کی درگاہ اور سجادہ نشینوں کے بڑے معتقد تھے انہوں نے خواجہ محمد حافظؒ، خواجہ عبدالحقؒ اور سخی قبول محمد تینوں کا عہد دیکھا تھا تاہم درگاہ پر پہلا مقبرہ میر رستم خان نے ۱۲۲۵ھ (جس وقت سچلؒ کی عمر ۷۴ سال تھی) میں تعمیر کرایا۔ تیسرے حاکم علی مراد خاں نے سچل سرمستؒ کا فارسی دیوان ''دیوان آشکارا''

پچھلی صدی کے نصف آخر میں چھپوایا تھا۔

رشید لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھتے ہیں "بعض احباب نے لکھا ہے کہ کھہڑا کے مخدوموں کو سچل سرمستؒ سے عداوت تھی۔ لیکن یہ بات حقائق کے خلاف جاتی ہے اس کے متعلق "تذکرہ مخادیم کھہڑا" کا یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم محمد عاقل اول اور ان کے بھائی مخدوم محمد صاحب کا جاگیروں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تنازعہ ہو گیا۔ مخدوم محمد صاحب میر سہراب خاں کے یہاں پکار پکار کر تھک گئے۔ لیکن کسی قسم کی دادرسی نہ ہوئی۔ آخر وہ سخی قبول محمد اور سچل سرمستؒ کے یہاں فریاد لے کر آئے۔ چنانچہ سچل سرمستؒ، مخدوم محمد کا معاملہ لے کر مخدوم محمد عاقل کے پاس گئے تو مخدوم محمد عاقل نے اپنی مہر اٹھا کر سچل سرمستؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہنے لگے آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے سچل سرمستؒ نے فیصلے کے مطابق ملکیت کا مناسب حصہ مخدوم محمد عاقل کے بھائی مخدوم محمد کو دلایا اور دونوں بھائیوں کو گلے ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر بنا دیا۔

سچل سرمستؒ کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور رفیق قلمبند کرتے جاتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ "یہ کسی کہنے والے نے کہا ہوگا مجھے کچھ یاد نہیں"۔

مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ سچلؒ کے مریدوں نے ان کا اکثر کلام

کتابی صورت میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر آپ نے ان سب مسوّدوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام کے متعلق یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا لوگ غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے فقیروں اور عقیدتمندوں کے بار بار کے اصرار پر آپ نے اپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ فقیروں کو جو کلام یاد تھا اسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کی روایت کے مطابق آپ کی وفات کے وقت آپ کی تمام کافیوں (۹) کا شمار کیا گیا تو کل نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھیں۔

ایک دفعہ آپ کچھ زیادہ بیمار ہوئے تو سجادہ نشین سخی قبول محمد نے جنہیں سچلؒ کی حسن پرستی اور لے سے دلچسپی کا بخوبی علم تھا۔ میر رستم خاں کو کہلا بھیجا کہ آپ کچھ گانے والیاں بھیجیں۔ جب گانے والیاں درازا پہنچیں تو حضرت سچل سرمستؒ کو بہت خوشی ہوئی آپ اٹھ بیٹھے۔ گانا سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ رو بصحت ہو گئے۔

ایک دوسری دفعہ بیماری کے دوران لاڑکانے کی ایک گانے والی آئی، تو حضرت سچل سرمستؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا "بسم اللہ ہمارا طبیب آیا، ہمارا حکیم آیا۔"

کریم بخش خالد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سچلؒ کے عہد کے مذہبی حالات بھی ناگفتہ بہ تھے۔ کھہڑا کے مخدوم مذہبی لحاظ سے انتہا پسند تھے انہیں اس قدر مذہبی اقتدار حاصل تھا کہ معمولی باتوں پر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا کرتے تھے۔ حکام اور علماء بھی ان کے احکام کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ غیر مسلموں کو زبردستی حلقۂ اسلام

میں لانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقلیتیں حکومت اور مخدومین کے خلاف گڑبڑ اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگیں اور آنے والے دور نے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ جب انگریز سندھ میں وارد ہوئے تو ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں نے میران سندھ کے خلاف ان کا ساتھ دیا تاہم اس دور میں بزرگانِ دین کی خانقاہیں مظلوم انسانوں کے لئے امن اور سکون کے بہت بڑے مراکز تھیں اس سلسلے میں گمبٹ اور رانی پور کو خصوصیت حاصل تھی۔ جہاں ابراہیم شاہ اور صالح شاہ قادری فیض کے دریا بہا رہے تھے۔ علاوہ ازیں کنڈڑی (ریاست خیرپور) روہڑی، پیر گوٹھ اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی امن کے مسکن قائم تھے۔"

سچل سرمستؒ سندھ میں منصوری روایت کے علمبردار تھے اور اس ضمن میں سندھ کی جو روایات تھیں ان کی پاسداری کو انہوں نے فرض جانا۔ چنانچہ جھوک شریف والے شاہ عنایت کو وہ منصوری راہ کے شہیدوں میں شمار کرتے ہیں۔ سندھی، فارسی اور پنجابی میں شاہ عنایت کو بار بار انہوں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ شاہ عنایت کا تنازعہ اگر ایک طرف تنگ نظر ہم عقیدہ لوگوں سے تھا۔ تو دوسری طرف اس وقت مغلوں اور کلہوڑوں کے ان حاکموں سے جو عارضی اور فوری مقاصد کے حصول کے لئے طاقت اور جبر کو ضروری خیال کرتے تھے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے "تحفۃ الاکرام" اور "مقالات الشعرا" کے حوالے سے شاہ عنایت شہید جھوک شریف والے کے بارے میں واقعہ "تاریخ سندھ" میں اس طرح لکھا ہے۔

صوفی شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا رجب بن مخدوم صدو لنگاہ، اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔ دولت حق شناسی کے لئے ملکوں ملکوں پھرتے رہے یہاں تک کہ دکن میں پہنچ کر

شاہ عبدالمالک کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف کی تمام منازل طے کیں۔ وہ علومِ ظاہری حاصل کرنے کے لئے شاہ غلام محمد کی خدمت میں پہنچے تھے جو اس وقت شاہجہان آباد (جہاں آباد) میں مقیم تھے اگرچہ شاہ عنایت نے علوم ظاہری کی تعلیم شاہ غلام محمد سے حاصل کی لیکن سلوک کی منزلیں شاہ غلام محمد نے شاہ عنایت سے طے کیں وہ ٹھٹھہ ان کے ساتھ آئے۔ شاہ غلام محمد شیخ کی ارادت میں بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جو علماء کے نزدیک ناجائز تھے۔ مثلاً وہ اپنے شیخ کو سجدۂ تحیت کرتے تھے۔ علماء نے اس پر انہیں ٹوکا تو شاہ عنایت نے انہیں شاہجہان آباد چلے جانے کا حکم دیا اور خود پرگنہ بھورہ میں غازیاہ کے کنارے موضع جھوک عرف میراں پور میں اپنے مریدین و معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ عنایت کی عبادت و ریاضت کی شہرت دور دور پہنچی اور اطراف و اکناف کے لوگ عقیدتمندانہ طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

ان کے عقیدتمندانہ ہجوم کو دیکھ کر آس پاس کے دو حلقوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی ان میں سے ایک حلقہ اطراف و جوانب کے زمینداروں کا تھا اور دوسرا آپ کے قریب کے موضع بلڑی کے سادات کا گروہ تھا جن کی پیری مریدی اور عقیدتمندی کا فروغ شاہ عنایت کی وجہ سے کم ہوتا جاتا تھا اور ان کے مریدین و معتقدین شاہ عنایت کے حلقے میں شامل ہوتے جاتے تھے جس کی وجہ سے یہ سادات بلڑی شاہ عنایت سے سخت ناراض تھے۔ ٹھٹھے کے قریب بکیرا میں شیخ فاضل شاہ قریشی کی اولاد میں سے شاہ سراج الدین نے پیری مریدی کو دنیاوی جاہ و حشمت سے ملا لیا اور بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام حاصل کر لیا۔ دہلی کے دربار میں رسائی حاصل کرتے

کے بعد انہوں نے شاہ عنایت کے خلاف جنگ شروع کرانے میں پہل کی۔

"تحفۃ الاکرام" میں انفرادی طور پر بھی ان اشخاص کے نام دیئے ہیں جنہوں نے شاہ عنایت کے خلاف مغل ناظم ٹھٹھہ کے پاس شکائتیں کیں۔ ان میں بلڑی کے سادات میں سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللہ لعل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم تھے دوسرے نور محمد بن منبہ بن رادہ بن بالو بلیجانی زمیندار بلیجا پور اور تیسرے حمل بن لاکھا بن حمل بن لاکھا جت زمیندار تھا (زمینداروں نے سیدوں کے صلاح مشورہ سے شاہ عنایت سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی) لیکن سادات بلڑی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ جس زمانے میں شاہ عنائت کے خلاف شکایت پیش ہوئی اس زمانے میں ٹھٹھے کا مغل ناظم لطف علی تھا۔ اس نے سادات بلڑی کی جنبہ داری میں بغیر تحقیقات کے حکم دے دیا کہ وہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مریدوں سے خود نپٹ لیں ان لوگوں نے لطف علی کا اشارہ پاکر شاہ عنایت کی خانقاہ پر حملہ کر دیا۔ اس میں خانقاہ کے بہت سے درویش شہید ہوئے ان بے گناہوں کے ورثا نے جب استغاثہ کیا تو حکومت کی جانب سے قاتلوں کی زمینیں مقتولوں کے ورثا کو دلا دی گئیں۔ تحفۃ الاکرام کے مطابق پھر کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمال (حکومتِ دہلی) کے مظالم سے بھاگ کر فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔

۱۱۲۸ھ/۱۶-۱۷۱۵ء میں لطف علی خاں کی جگہ نواب اعظم خاں ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا۔ تحفۃ الاکرام کے مطابق ایک بار پھر سارے منحوس پڑوسیوں نے ٹھٹھے کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر اور فقیر (شاہ عنایت) کی بغاوت کا خدشہ ظاہر کر کے شاہی دربار سے ان کی بیخ کنی کا حکم جاری کرا لیا اور پھر سندھ کے سارے پرگنوں کی فوجیں جمع کر کے

ان پر چڑھ آئے۔ مولانا قدوسی لکھتے ہیں " وہ (نواب اعظم خان) شاہ عنایت کے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کی امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے شاہ عنایت کی مخالفت میں ان زمینوں کے محصول جو خانقاہ کے متصل تھیں اور جن کے محصول معاف ہو چکے تھے، بحال کر دیئے اور ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شاہ عنایت نے جواب دیا کہ جب یہ محصول بادشاہ (محی الدین فرخ سیر) کی جانب سے معاف ہو چکے ہیں اب ہم سے کیسے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اعظم خاں اس جواب پر برہم ہو گیا اور اس نے مرکز میں لکھ بھیجا کہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مرید سرکاری محصول ادا نہیں کرتے آن سے بغاوت کی بو آرہی ہے وہاں سے حکم ملا کہ اس فتنے کو روکا جائے۔ اس حکم کے ملنے پر اعظم خان نے اپنی فوج کے علاوہ یار محمد خاں کلہوڑا اور دوسرے رئیسوں کے نام احکام جاری کیئے کہ وہ بھی مدد کے طور پر اس فوج میں شریک ہوں۔ اس فوج نے صوفی عنایت کی خانقاہ پر حملہ بول دیا۔ پہلے تو پورے چار ماہ یہ فوج شاہ صاحب کی خانقاہ کا محاصرہ کیئے پڑی رہی۔ شاہ صاحب کے فقیر راتوں میں اس فوج پر شب خون مارتے تھے۔ اس طرح اعظم خاں کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ تباہی کے قریب جا پہنچے تھے۔

مقالات الشعراء میں ہے کہ ۱۸ ذیقعد ۱۱۲۹ھ/ ۳۱ راکتوبر ۱۷۱۷ء کو جنگ کا آغاز ہؤا۔ درویشوں کا طریقہ یہ تھا کہ رات کے وقت تلواریں لے کر نکلتے اور محاصرہ کرنے والوں پر شب خون مارتے اس طرح اعظم خان کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے صوفی شاہ عنایت نے درویشوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ حملہ کرتے وقت نعرے بالکل نہ لگائیں اور حکم دیا تھا کہ جب تک تم خاموشی سے حملے کرتے رہو گے تمہیں کامیابی ہو

ئی۔ اتفاق سے ایک دن شب خون کے موقع پر ایک درویش کا پاؤں لکڑی سے ٹکرایا۔
اس کے منہ سے بے اختیار اسم ذات زور سے نکلا جو ان لوگوں کا عام دستور تھا
دوسرے درویشوں نے بھی یہ نعرہ سن کر نعرے لگانے شروع کر دیئے اس طرح مخالفوں
کو شب خون مارنے والوں کا پتہ چل گیا اور انہوں نے باقاعدہ تیاری کے ساتھ جنگ
شروع کر دی اگرچہ درویش کمزور ہو گئے لیکن باقاعدہ جنگ ختم نہیں ہوئی اور درویش
فوج پر حملے کرتے رہے۔

آخر اعظم خاں نے میاں یار محمد خاں کلہوڑا اور میر شہداد بلوچ کی وساطت سے
فریب سے شاہ عنایت کو صلح کی پیش کش کی (۹ صفر ۱۱۳۰ھ یکم جنوری ۱۷۱۸ء)
کہ درویشوں کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ معاہدہ صلح ہوا جس کے
بعد صوفی شاہ عنایت اعظم خاں کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ صلح نامہ ایک دھوکا تھا۔

اعظم خاں نے شاہ صاحب کو گرفتار کر کے پوچھا کہ بتاؤ تم نے شورش
کیوں برپا کی تھی۔ شاہ عنایت نے جواب دیا۔

آں روز کہ توسن فلک زیں کردند
آرائش مشتری ز پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا
مارا چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

نواب اعظم خاں کے ایک مصاحب محمد رضا نے اس کے جواب میں کہا۔

دوست بیدار بشو عالم خواب است ایں جا
حرفِ بے ہودہ مگو پائے حساب است ایں جا

شاہ عنایت نے فوراً جواب دیا کہ :

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دارند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

اعظم خاں نے کہا کہ اب اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

شاہ عنایت نے جواب میں فرمایا کہ محبِ حق کے لئے سزا وہی حیثیت رکھتی ہے جو سونے کے لئے آگ۔

اعظم خاں نے کہا کہ تم نے بدنامی کیوں مول لی اور تیر بلا کا نشانہ کیوں بنے۔

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اعظم خاں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی فرمانبرداری سے باہر قدم کیوں رکھا حالانکہ قرآن میں اول الامر کی اطاعت کا حکم ہے۔

شاہ عنائت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

نواب اعظم خان نے کہا اب آرزوؤں میں ناکام ہونے پر غمگین ہونے سے کیا نتیجہ ؟

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا

من ازاں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

نواب اعظم خاں نے شاہ عنایت کو قید میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ شاہ عنایت نے اس حکم کی بے تکلف تعمیل کی اور یہ شعر ان کی زبان پر تھا

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را

۱۵ صفر ۱۱۳۰ھ ۷ جنوری ۱۷۱۸ء کو شاہ عنایت کو شہید کیا گیا۔ آخری وقت میں یہ شعر شاہ صاحب کی زبان پر تھا۔

رہانیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

تلوار گردن پر پڑی تو چار تکبیریں کہہ کر واصل حق ہوئے۔

نواب اعظم خاں پہلے ہی ملک میں غلہ گراں ہونے کی وجہ سے بدنام تھا شاہ عنایت کی شہادت نے اسے اور ملک میں روسیاہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ ٹھٹھے کی حکومت سے معزول ہوا۔

شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ حضرت سچل سرمستؒ کی پیدائش سے بائیس برس پہلے پیش آیا۔ اگرچہ سچل سرمستؒ کا علاقہ بکھر کے ناظم کے تحت تھا اور یہ واقعہ ٹھٹھہ کی نظامت کا تھا مگر اس واقعہ نے بنیادی طور پر علمی اور فکری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ سچلؒ کے زمانے میں بھی اس کو بے پناہ حیثیت حاصل رہی۔ شاہ عنایت کی شہادت کے واقعہ کو سندھ کی سیاسی، مذہبی اور ادبی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے اور سچلؒ سمیت تمام معروف شاعروں کی ذہنی ساخت اور تخلیقی افتاد میں یہ واقعہ اہم کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔

سچلؒ کی پیدائش سے صرف چھ برس پہلے نظامت بکھر کے موضع کھہڑا میں دوسرا واقعہ پیش آیا جہاں ایک معروف مذہبی گھرانے کے بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کے ساتھ میاں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے مسجد میں شہید کر دیا۔ مخدوم رحمٰن حیدرآباد کے قریب پہاڑی کلور والے سیدنا ابراہیم شہید کی اولاد میں سے تھے۔ مخدوم امیر احمد اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے "تحفتہ الاکرام" کے حواشی کے مطابق مخدوم رحمٰن ایک جید عالم، صاحب کرامت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مخدوم غلام محمد بگائی جن کے منظوم معجزے اور میلاد آج بھی عام طرح گا کر روحانی سرور حاصل کیا جاتا ہے یہ داستان سندھی زبان میں نظم کی ہے اور یہ (مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت کے متعلق نظم) میاں غلام محمد بگائی کی سندھی کے نام سے سندھ میں مشہور ہے۔

کلہوڑا خاندان کے بزرگ ابتداءً صوفیا کی حیثیت سے تاریخ سندھ میں متعارف ہوتے ہیں مگر بعد میں انہوں نے مذہبی اور روحانی رشتے چھوڑ کر حکمرانی کا راستہ اختیار کیا۔ سچلؒ کے دونوں ممدوح شاہ عنایت اور عبدالرحمٰن کھہڑا کی شہادت کلہوڑوں کے ہاتھوں ہوئی۔ شاہ عنایت اور جنگ جھوک کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر کی تاریخ سندھ عہد کلہوڑا میں میاں یار محمد کلہوڑا کا اپنا بیان ہے۔

"میں اور نواب اعظم خاں دریائے اوتھل سے گذر کر جھوک پہنچے چونکہ قلعہ کے گرد گہری خندق کھود رکھی تھی اس لئے لشکر کو جھوک کے نصف کوس پر ٹھہرایا گیا تھا۔ ۷ ذلیقعد کو سواروں اور پیادوں کے ساتھ خندق کے ارد گرد کے علاقے کا چکر لگایا اور شاہ عنایت کے مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔

اگلے دن اتوار کو جب صبح ہونے میں تقریباً ایک پہر باقی تھا۔ شاہ عنایت

کی فوج کے ایک ہزار ستر پیادے شب خون کی غرض سے آئے۔ ہمارے لشکر کے بھی چند آدمی مارے گئے لیکن بہادروں نے مفسدوں کو تلوار پر رکھ لیا۔ بہت تھوڑے سے لوگ جان سلامت بچا سکے۔ باقی سب تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

مقتولین میں اکثر بھنوار جو قاسم ولد کہرام اور سید کے ساتھ تھے، وکیل ٹھٹھہ اور احمد لوہکانی اور اس کے دونوں بھائی اور داؤڈھیجہ قبیلے کے لوگ اور دوسرے زمیندار جو اپنے آپ کو اس کے زمرۂ فدایان میں شامل کئے ہوئے تھے۔

مولانا مہر نے گلدستۂ نورس بہار کے اسی خط سے ایک اور اقتباس دیا ہے جو اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ جلد دوم میں شامل ہے۔

" داؤد خاں عباسی سخت بیمار ہے امید ہے کہ خدا کی رحمت سے شفا پائے انہوں نے تلوار کے پانچ چھ زخم چہرے پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر کھائے۔ اس جنگ میں میاں داؤد کے علاوہ ان کے بھائی میاں غلام حسین نے نیز خدا یار خاں کے بھائی میر محمد خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور سب نے کم و بیش زخم کھائے خط کے آخر میں ہے کہ " ابھی جنگ باقی ہے انشاء اللہ مفسد کو عنقریب اس کے عمل کا بدلہ ملے گا"۔

سچل کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے اور ان کی زندگی کے دوران تاریخ سندھ کے اہم واقعات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ سچل کی منصور حلاج سے لے کر سرمد شہید تک اور شاہ عنایت اور بلھے شاہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ فریدالدین عطار، مولانا روم اور مولانا جامی سے وابستگی کے اسباب کی جڑیں یہیں کہیں ہیں۔ کلہوڑوں کے پہلے باقاعدہ حکمران میاں یار محمد کے اٹھارہ سالہ دور حکومت میں جھوک شریف کی

جنگ ہے۔ باقی عرصہ اس نے عیش و آرام میں گذارا۔ جھوک کی جنگ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں ہوئی۔ اس کے بعد میاں نور محمد کلہوڑا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء میں مسند نشین ہوا۔ اسے اپنے بھائی داؤد خاں کی طرف سے خطرہ تھا مگر اسے اس نے معرکہ آرائی سے پہلے رام کر لیا اس زمانے میں دہلی میں محمد شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ میاں نور محمد نے فرمانبرداری کی عرضداشت بھیجی۔

میاں نور محمد کی پہلی جنگ شکارپور کے داؤدپوتروں سے ہوئی۔ جنہیں میاں نور محمد نے سندھ سے نکال دیا اور وہ پنجاب کے علاقوں ملتان، بہاولپور، پاکپتن وغیرہ میں جا بسے سابق ریاست بہاولپور کا قیام بھی انہی داؤدپوتروں کا مرہونِ منت تھا پھر قلات کے بروہیوں سے جھگڑا شروع ہوا۔ جنڈھیر کی جنگ میں بروہیوں کو شکست ہوئی۔ نور محمد کے دونوں بیٹوں کی شادی عبداللہ خان بروہی کی بیٹیوں سے ہوئی۔

جس سال درازا میں سچل سرمستؒ پیدا ہوئے، اسی سال ۱۷۳۹ء نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ دہلی میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے بعد جب وہ کابل واپس پہنچا تو اس نے میاں نور محمد کے نام کابل سے حکم بھیجا کہ وہ کابل میں حاضر ہو۔ مگر میاں نور محمد خود کو دہلی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ اس نے اس فرمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی نادر شاہ کو جب اندازہ ہوا کہ نور محمد نے اس کے حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ سندھ پر حملے کے لئے بجلی کی طرح کڑکا اور طوفان کی طرح روانہ ہوا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے کشتیوں کے ذریعے فوج ڈیرہ غازیخان پہنچائی۔ وہاں میاں نور محمد کو طلب کیا لیکن میاں نور محمد نے جواب نہیں دیا۔ نادر شاہ نے لاڑکانہ روانہ ہونے سے پہلے لاہور کے گورنر ذکریا خان کو خط لکھا کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ اس مرتبہ ہم موسم سرما سندھ میں گذاریں اور وہاں کے

شرپسندوں کو تنبیہہ کریں۔ ہمارا لشکر ان کا تعاقب کرتا ہؤا دریائے سندھ کو عبور کرے گا لیکن اسے سلطانی علاقے (محمد شاہ کے علاقے) میں مداخلت نہ سمجھا جائے۔ تم تیار اور مستعد رہو اور ضرورت پڑنے پر لاہور سے ملتان پہنچ جاؤ اور وہاں ٹھہر کر مفروروں کے راستے روکنے کا انتظار کرو۔ ذکریا خاں نے یہ فرمان دہلی بھیجا وہاں سے حکم آیا کہ نادر شاہ کے فرمان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔

نادر شاہ کے حملے کا سنا تو میاں نور محمد اپنا دارالحکومت خدا آباد چھوڑ کر سارا ساز و سامان لے کر عمرکوٹ روانہ ہوگیا تاکہ نادر شاہ کی نظر نہ پہنچ سکے۔ نادر شاہ فروری ۱۷۴۰ئہ کو لاڑکانہ پہنچا۔ میاں نور محمد کے فرار کی اسے اطلاع مل گئی۔ نادر شاہ سواروں کا دستہ لے کر نور محمد کے تعاقب میں روانہ ہؤا۔ شہداد پور پہنچا تو نور محمد کی طرف سے اسے تحائف ملے مگر نادر شاہ مطمئن نہ ہؤا اور عمرکوٹ پہنچ گیا جہاں میاں نور محمد نے سوا کروڑ روپیہ نادر شاہ کو دیا۔ نادر شاہ نے نور محمد کی حکومت بحال کر دی۔ نادری حملے سے سندھ کو سخت نقصان پہنچا۔ نادر ملک کی ساری دولت ہی نہیں لے گیا بلکہ اس نے سندھ کے کتب خانے بھی لوٹ لئے اور سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سبی اور کچھی والئ قلات کو دیے۔ شکارپور صادق محمد خاں داؤد پوترہ کو اور باقی سندھ میاں نور محمد کو۔

نادر شاہ نور محمد کے دو بیٹے مراد یاب خان اور میاں غلام شاہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ بعد میں تیسرا بیٹا عطر خاں بھی وہاں چلا گیا۔ یہ سب نادر شاہ کے قتل تک وہیں رہے۔

نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہؤا۔ سچلؒ کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ نادری حملے نے سندھ پر جو اثرات چھوڑے تھے۔ ان کا اندازہ قاضی عبدالقادر ٹھٹھوی کے

حسب ذیل قطعہ تاریخ سے ہوتا ہے۔

فتنہ نادر چوں بروں شد زمیاں

راحت آمد بہمہ عالمیاں

خوش خبر ہاتفِ فرمود زغیب

"محو شد آفتِ نادر زجہاں"

۱۱۶۰ھ

پنجاب میں نادر شاہی حملے کے بارے میں پنجابی کے متعدد شاعروں کے ہاں حوالے موجود ہیں اور نجابت نے تو ایک پورا جنگ نامہ تحریر کر دیا ہے۔ سچلؒ کے ہاں نادر کا لفظ ظالم کے مفہوم میں بارہا آیا ہے۔

نادر شاہی ظلم و ستم کا دور ختم ہوا تو احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہو گئے پہلا حملہ ۱۷۴۹ء میں پنجاب پر ہوا۔ میاں نور محمد سے خراج تو مل رہا تھا۔ مگر کسی بات پر ناراض ہوا۔ اور ۱۷۵۲ء میں جب سچل سرمستؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ آ گیا۔ میاں نور محمد کے سفیر دیوان گدومل نے احمد شاہ ابدالی کو رام کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی جنگ لڑی اور ۱۷۶۳ء میں پھر سرہند تک گیا۔ بہرحال سندھ اب دہلی کی بجائے کابل کے تابع رہا اور کلہوڑے کابل والوں کی بالادستی مانتے رہے۔

احمد شاہ ابدالی کی سندھ پر یلغار کے وقت میاں نور محمد نے وہی طریق اختیار کیا جو نادر شاہ کے حملہ کے وقت کیا تھا یعنی دارالحکومت سے نکل کر جیسلمیر کی مشرقی جانب چلا گیا۔ جہاں ۹ دسمبر ۱۷۵۳ء کو وفات پائی۔ بہرحال میاں نور محمد کے عہد میں کلہوڑا کے

مخدوم عبدالرحمٰن کو میاں کی فوج نے شہید کیا۔

میاں نور محمد کا جانشین اس کا بڑا لڑکا محمد مرادیاب خاں ہوا مگر قید ہوا، قید میں مرا۔ اس کے دو بیٹے اس کے بھائی غلام شاہ کے عہد میں قتل ہوئے۔ مرادیاب خاں کے بھائی محمد عطر خاں نے احمد شاہ ابدالی سے سندھ کی حکومت کی سند حاصل کر لی۔ اس کے دوسرے بھائی احمد یار خاں نے غلام شاہ کے خلاف عطر خاں کی حمایت میں لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ غلام شاہ مجبوراً جیسلمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عطر خان کے مظالم، غفلت اور بدمزاجی کی وجہ سے رعایا چیخ اٹھی۔ لوگوں نے میاں غلام شاہ کو واپس بلایا۔ جسے اب بہاولپور کے نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ دونوں فریقوں کی فوجوں میں روہڑی کے باہر نہر امرکس کے کنارے خونریز جنگ ہوئی۔ عطر خاں اور احمد یار خاں ہار گئے۔ غلام شاہ جیت گیا مگر عطر خاں نے افغانوں کی مدد سے پھر غلام شاہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر ش سندھ تینوں بھائیوں میں تقسیم ہو گیا۔ ٹھٹھہ وغیرہ غلام شاہ کے حصے میں آیا مگر پھر جھگڑا ہوا۔ آخر احمد یار اور عطر خاں ملک چھوڑ کر چلے گئے اور غلام شاہ کا پورے سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر افغان دربار سے اسے سندِ حکومت نہیں ملی تھی، او بارڑو میں اس کی بہادر خاں سے پھر جنگ ہوئی۔ جو عطر خاں کی مدد کر رہا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں میاں غلام شاہ کو کابل کے دربار سے حکومت کی سند مل گئی۔

سنہ ۱۷۹۰ء میں کچھ کے راجہ لاکھا کے بیٹا سے جارہ پہاڑ پر میاں غلام شاہ کی جنگ ہوئی۔ جس میں سردار میر بہرام تالپور نمایاں ہوا۔ جنگ میں راؤ کچھ کو شکست ہوئی۔ صلح کی شرط کے مطابق راؤ کی بہن کی شادی غلام شاہ سے ہونا تھی۔ مگر راؤ بعد میں منحرف ہو گیا۔ غلام شاہ نے ۱۷۶۲ء میں پھر حملہ کیا۔ راؤ ہار گیا اور اپنی چچازاد ...

شادی غلام شاہ سے کر دی۔ ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے میاں غلام شاہ کے حسن انتظام سے خوش ہو کر ڈیرہ غازیخان اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کا انتظام بھی میاں کے سپرد کر دیا بعد میں ملتان کی حکومت بھی میاں غلام شاہ کے نام کی گئی۔

میاں غلام شاہ کے عہد میں انگریزوں نے سندھ میں قدم جمانے شروع کر دیئے یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز ۱۶۱۳ء میں دیبل کی بندرگاہ میں آیا تھا۔ ۱۶۳۵ء میں ٹھٹھہ میں انہوں نے پہلی کوٹھی قائم کی۔ تاکہ قلمی شورہ خرید کر یورپ بھیجا جائے۔ ۱۶۹۲ء میں یہ کوٹھی بند کر دی اس کے پچانوے برس بعد پھر انگریزوں نے سندھ میں از سر نو تجارت کی ضرورت محسوس کی اور ۱۷۵۸ء میں میاں غلام شاہ کی اجازت سے کوٹھی قائم کی۔ مقصد قلمی شورے کی تجارت تھا۔ ۱۷۶۱ء کو انگریزوں کو قلمی شورے کی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ میاں غلام شاہ نے انگریزوں کو تجارت میں بڑی مراعات دی تھیں۔ مگر انگریزوں نے خود غرضیوں سے کام لینا نہ چھوڑا۔ میاں نے جب کچھ کے حملے کے موقع پر امداد کے طور پر اسلحہ کا ایک جہاز مانگا تو انگریزوں نے صاف انکار کر دیا کہ کچھ کے راؤ سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہیں۔ اس لئے ہم جہاز نہیں دے سکتے۔ میاں غلام شاہ کا ایک آدمی علی نواز خاں بہت سا سامان لے کر سورت فرار ہو گیا۔ میاں نے اس کی گرفتاری کے لئے انگریزوں سے مدد چاہی لیکن انگریزوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ ایک بار انگریزوں سے کہا کہ دس ہزار گولے مناسب نرخ پر بنوا دیں۔ مگر انگریزوں نے ٹال دیا۔ میاں غلام شاہ کے دربار سے وابستہ گلاب رائے ایسے لوگ انگریزوں کے اس وطیرے کے باعث ان کے خلاف تھے مگر میاں غلام شاہ نے انگریزی کوٹھی کو بند نہیں کیا۔

میاں غلام شاہ کا ۱۷۷۲ء میں انتقال ہوا۔ جب کہ سچل سرمست کی عمر اس وقت اکتیس برس تھی۔ اب غلام شاہ کا لڑکا میاں سرفراز خاں تخت نشین ہوا۔ اس نے جنگ جارہ کے ایک ہیرو میر بہرام خاں تالپور کو دھوکے سے بلوا کر قتل کرا دیا۔ عوام میں میاں سرفراز خاں کے خلاف نفرت اور حقارت بڑھ گئی۔ ادھر میر بہرام خاں کے عزیزوں اور بلوچوں نے انتقام لینے کا ارادہ کر لیا، میر فتح خاں نے جو میر بہرام خان کا چچازاد تھا۔ خدا آباد پر حملہ بول دیا، سرفراز بھاگ نکلا اور حیدر آباد کے قلعہ میں جا چھپا۔ میر فتح خاں یہاں بھی پہنچ گیا۔ سرفراز قید ہوا اور کنجیاں فتح خاں کو دینی چاہیں۔ مگر اس نے کہا کہ ہمارا سردار میر بجار خاں مکہ سے واپس آئے گا تو جو چاہے گا کرے گا۔ سرفراز کو بعد میں آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے قتل کرا دیا۔

میاں سرفراز کے بعد اس کے چچا غلام نبی کو حکمرانی کے لئے چنا گیا۔ میر بجار حج سے واپس بجہاز کراچی آیا اور قلات کے حاکم محمد نصیر خاں کے پاس گیا۔ نصیر خان نے اسے کلہوڑوں سے انتقام لینے کے لئے کہا اور فوج کی مدد کی پیش کش کی، مگر میر بجار نے کہا کہ وہ اپنے ملک میں خانہ جنگی نہیں چاہتا اور یکہ و تنہا وہاں جائے گا میر بجار سندھ پہنچا تو سبھی عزیز و اقارب اس کے باپ میر بہرام خاں کی تعزیت کے لئے آئے اور کلہوڑوں کے مظالم کی تفصیل بیان کر کے حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر میر بجار خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ تاہم غلام نبی نے اسے ایک خط میں لکھا کہ وہ سندھ میں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس پر میر بجار خاں نے عمر کوٹ کا قلعہ کھوسہ قبیلے سے لے لیا۔

تعلقہ شہداد پور کے علاقہ لانیاری میں میاں غلام نبی اور میر بجار خاں کے

درمیان جنگ ہوئی۔ میاں غلام نبی نے میر بجار خاں سے صلح کے لئے قرآن کریم دے کر ایک شخص کو بھیجا مگر خود اس کے وزیر تاجہ لیکھی کو اس کا علم ہوگیا اور اپنی تلوار سے میاں غلام نبی کو قتل کر دیا تاجہ لیکھی خود بھاگ گیا۔ میر بجار نے غلام نبی کی نعش احترام کے ساتھ حیدرآباد بھجوادی۔

اس وقت حیدرآباد میں میاں نور محمد کا چھوٹا بھائی عبدالنبی تھا۔ سرفراز خاں اس کا بیٹا محمد خاں، بھائی محمود خان اور چچا عطر خاں قلعے میں بند تھے۔ چنانچہ اس خیال سے ان قیدیوں کے ہوتے ہوئے اس کا حکمران رہنا مشکل ہے۔ اس نے سب کو قتل کروادیا۔ گویا کلہوڑہ خاندان کے پانچ افراد کو بیک وقت حیدرآباد میں دفن کیا گیا یوں عبدالنبی حاکم ہوا۔ میر بجار سرفراز کو حکمران دیکھنا چاہتا تھا مگر مجبوراً اسے عبدالنبی کو مخدوم نوح ہالائی کے مزار پر دستار باندھنا پڑی اور ملک کا انتظام میر بجار خان نے خود سنبھال لیا۔

اس اثنا میں احمد یار خاں کا بیٹا عزت یار خاں افغان لشکر کی مدد سے سندھ پر حملہ آور ہوا۔ لکھی اور شکارپور کے درمیان میر بجار کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ افغان لشکر بھاگ گیا۔ عزت یار خاں شکارپور کے قلعہ میں محصور ہوگیا۔ ادھر افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ نے برہم ہو کر سندھ پر حملہ کر دیا۔ میر بجار عبدالنبی کے ساتھ دہڑی پہنچا اور تیمور شاہ کو صفائی پیش کی اور تیمور شاہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ میر بجار نے سندھ میں نظم ونسق کو بہتر بنایا لوگوں کو امن نصیب ہوا۔ مگر اسی اثنا میں راجا جودھپور کے دو دکیلوں نے سفارتی نمائندوں کے روپ میں آکر میر بجار خان کو قتل کر دیا۔ افواہ یہ تھی کہ عبدالنبی نے یا اس کی ماں نے میر بجار خاں کو قتل کرایا ہے۔ چنانچہ میر بجار خاں کے

بیٹے میر عبداللہ خاں کی دستار بندی کے فوراً بعد میاں عبدالنبی کے دل کا چور جاگا اور اس خیال سے کہ میر عبداللہ خاں اس سے انتقام لے گا وہ سندھ چھوڑ کر قلات روانہ ہو گیا۔

میر عبداللہ نے عبدالنبی کو پیغام بھیجا کہ وہ واپس آجائے کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں کوئی ایسا نہیں چھوڑا جسے حاکم بنایا جائے مگر عبدالنبی نہیں آیا چنانچہ میر عبداللہ نے اسی خاندان کے ایک فرد صادق علی خاں کو تخت پر بیٹھنے پر راضی کر لیا۔ صادق علی خان کا شعار فقر و قناعت تھا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ مغرب سے عبدالنبی والئ قلات میر نصیر خان کی مدد سے حملہ آور ہو رہا ہے اور مشرق سے جودھپور کا راجہ بجے سنگھ ــــ میر عبداللہ نے میر فتح علی خاں، فتح خان، میر سہراب خان (بعد میں خیرپور کا حاکم) اور سلطان جنگ سے مشورہ کیا اور سب سے پہلے جودھپوریوں کے مقابلے کا فیصلہ ہوا۔ جودھپور والوں سے مقابلہ ہوا تو وہ پہلے روز ہی سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوسری طرف سے میاں عبدالنبی اور والئ قلات میر نصیر خاں کی فوج حملہ آور ہوئی۔ میر عبداللہ اور صادق علی خاں نے اسے پل چاہلک کے قریب عبرتناک شکست دی عبدالنبی کابل میں تیمور شاہ کے پاس پہنچا، جس کا ایک سردار مدد خان پٹھان پہلے ہی سندھ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالنبی اس کے پاس پہنچا۔ مدد خان پٹھان کے بارے میں مولانا اعجاز الحق قدوسی "تاریخ سندھ" میں لکھتے ہیں "مدد خان کیا تھا سندھ کے لئے ایک عذاب تھا جو اس کی ہی صورت میں نازل ہوا وہ جس طرف سے بھی گذرا، آبادیوں کو نہ تیغ اور ویران کرتا ہوا چلا گیا۔ لوٹ مار میں اس کے لشکر کا یہ حال تھا کہ وہ ٹوٹا ہوا بوریا بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اس ظالم نے پورے سندھ کو خاک سیاہ کر کے برابر کر دیا اس کے فوجی بے حق لوگوں کو مارتے تھے۔ جدھر سے بھی اس کی فوج گذری۔ آبادیاں ویرانوں

یں تبدیل ہوتی چلی گئیں"۔

اہلِ سندھ کی پکار پر میر عبداللہ نے فتح خاں ، میر فتح علی اور میر سہراب خان سے مشورہ کیا کہ اب مدد خاں سے جنگ کرنی چاہیئے۔ فتح خان نے انکار کیا تاہم دوسرے جنگ کے لئے تیار ہوئے اور روانہ ہو پڑے، میر فتح خان کو بعد میں احساس ہوا اور وہ بھی ان سے مل گیا مگر کہا کہ میر عبداللہ جنگ میں پہل نہیں کرے گا، جب فریقوں کی فوجیں قریب پہنچیں تو مدد خاں کا خط میر عبداللہ کو ملا کہ ہم صرف عبدالنبی سے اس کا خزانہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ تیمور شاہ کے حکم کے مطابق عبدالنبی سے خزانہ نکلوا کر چلے جائیں گے ہم آپ سے نہیں لڑنا چاہتے، فتح خاں نے کہا ٹھیک ہے، میر عبداللہ نے مدد خان پٹھان کو لکھا کہ آپ دریا کے راستے خدا باد چلے جائیں اور میں عمر کوٹ جا رہا ہوں۔

مدد خاں پٹھان نے خدا باد پہنچ کر عبدالنبی سے کہا کہ وہ حسبِ وعدہ خزانہ دے عبدالنبی نے اپنے آدمی چاروں طرف دوڑا دیے کہ رعایا میں سے جن لوگوں کے پاس جو کے برابر سونا چاندی ہو وہ بھی لوٹ مار کر کے لے آئیں۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کے لئے دو دو سو آدمیوں کی گردن ماری گئی دوسری طرف مدد خاں کی فوجوں نے سندھ کو اس قدر مفلس اور قلاکش کر دیا کہ کسی کے بدن پر کپڑا چھوڑا نہ کسی کے سر پر پگڑی رہنے دی۔

میر عبداللہ ان مظالم کی رُوداد سُن کر پھر عمر کوٹ سے آیا اور مدد خان سے کہا کہ وہ حسب وعدہ چلا جائے، یہاں پھر فتح خاں، فتح علی خاں، میر سہراب خان اور میر عبداللہ کا اختلاف ہوا۔ فتح خاں کو اپنی صلح پسندی کی وجہ سے مدد خان پٹھان سے تکلیف اُٹھانا پڑی، میر عبداللہ خان لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

اس اثنا میں مدد خاں خداباد سے روہڑی پہنچ چکا تھا۔ جب فتح خاں اس کی قید سے فرار ہوگیا تو اسے یقین ہوگیا کہ اب میر عبداللہ اور یہ سب مل کر اس سے جنگ کریں گے میر عبداللہ نے اسے چیلنج بھیج دیا جس پر مدد خاں پٹھان اسی روز دریا کو عبور کر کے افغانستان چلا گیا۔ اور میاں عبدالنبی کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

میاں عبدالنبی کی روباہ بازیاں نہ گئیں۔ نواب بہاولپور کے ذریعے میر عبداللہ سے صلح کی اور دونوں خداباد میں رہنے لگے ایک روز میاں عبدالنبی نے میر عبداللہ اور میر فتح خاں کو جو اس کے دربار میں تھے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ ایک صبح جب یہ دونوں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو میاں عبدالنبی کے حکم سے ان کے سر گردنوں سے الگ کر دیئے گئے قرآن ان کے خون سے گلنار ہو گئے۔

اب بلوچ سرداروں میر فتح علی خان، میر سہراب خان، میر ٹھارو خان اور میر غلام علی اللہ یار خاں نے اپنے ان عزیزوں کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کیں۔ ہالا ئی میں جنگ ہوئی اور میاں عبدالنبی کو شکست ہوئی (۱۱۹۶ھ) وہ بھاگ کر والیٔ قلات کے پاس پہنچا اور پھر بروہیوں کی امداد سے دریائے سندھ کے کنارے تک آیا، ادھر جودھپور کی فوج سے بھی کہا گیا کہ وہ میروں پر حملہ آور ہو، مگر ان کی شرط تھی کہ عبدالنبی جب دریا عبور کر لے گا تو وہ پھر پیش قدمی کرے گی۔ مگر بروہی میاں عبدالنبی سے ناراض ہو کر اور سندھ کے مغربی کنارے لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ میاں عبدالنبی پھر خوار ہوا۔ اسی اثنا میں میر فتح علی خاں نے حیدرآباد کو فتح کر لیا مگر اسے افغان دربار سے حکمرانی کی سند نہیں ملی تھی۔ میاں عبدالنبی پھر افغان بادشاہ تیمور شاہ کے پاس پہنچا۔ تیمور شاہ نے سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کی حکمرانی عبدالنبی

کو اور دوسرے کی میر فتح علی خاں کو دے دی اور میاں عبدالنبی کو افغان فوج کے ہمراہ بھیج دیا۔
مگر میر فتح علی خاں فوج کی بھاری تعداد کے ساتھ جب ردھڑی کی طرف روانہ ہوا تو افغان
فوج ڈیرہ جات سے ہی واپس چلی گئی۔ میر فتح علی خاں کو دربار کابل سے پورے سندھ کی
حکومت تفویض ہوئی۔ (۱۱۹۹ھ)

کچھ عرصہ تالپور میر یکسوئی سے حکومت کرتے رہے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا
میر رستم خاں چپکے سے فتح آباد سے نکلا اور ردھڑی پہنچ کر خیرپور ریاست کی بنیاد
رکھ دی۔ میر ٹھارو خان شاہ بندر میں ریاست بنا بیٹھا۔ افغان دربار نے اس تقسیم کو
مان لیا اور تینوں میروں کی طرف سے خراج کی رقم علیحدہ علیحدہ قبول کی جاتی۔ میاں
عبدالنبی نے میروں کے اختلاف کے باعث موقع غنیمت جانا اور پھر تیمور شاہ سے
فوج کی امداد حاصل کر کے اسی بنا پر حملہ آور ہوا اور خیرپور کے میر سہراب خان نے اسے
میر فتح علی خاں کے مقابلے میں حمایت کا یقین دلایا ہے، ۱۲۰۲ھ بمطابق ۱۷۸۸ء جب
سچل سرمست کی عمر تقریباً پچاس برس تھی، افغان لشکر ملتان کو زیر کرتا بہاولپور پہنچا جہاں
امیر محمد بہاول قلعہ میں گوشہ گیر ہو گیا۔ دو ماہ تک افغان لشکر احمد خاں نورزئی اور
بوستان خان کی سربراہی میں رعایا کو لوٹتا رہا اور رعایا بے پناہ مفلس ہو گئی۔ افغان
لشکر خیرپور کے قریب پہنچا تو انہوں نے میر سہراب خان کو اپنی مدد کے لئے کہا۔ میر
سہراب خان نے میر فتح علی خان کو قرآن مجید پر عہد لکھ دیا کہ میں حملہ آوروں سے
جنگ کے لئے تیار ہوں آپ کے لئے چشم براہ ہوں۔ ادھر افغان لشکر ردھڑی سے
ہالہ کنڈی تک پہنچ گیا۔ میر فتح علی کو تیمور شاہ کا پیغام دیا گیا کہ وہ سندھ کی حکومت چھوڑ کر
چلا جائے۔ میر فتح علی خان نے اہل و عیال کو کچھ اور جیسلمیر بھیجا اور خود مقابلے کے لئے

نکل پڑا۔ مگر میر سہراب خاں قرآن پر لکھے عہد سے پھر گیا اور قلعہ شاہ گڑھ میں جا بیٹھا۔ میر فتح علی خاں صرف دس ہزار فوج کی مدد سے چالیس ہزار افغانوں سے ٹکرایا اور افغان شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

تیمور شاہ اس شکست کے بعد جوشِ انتقام میں خود مدد خان پٹھان کے ساتھ والئ قلات میر نصیر خان کے لشکر کی مدد سے بہاولپور کے داؤد پوتروں اور سندھ کے میروں سے انتقام لینے کے لئے آیا۔ تیمور شاہ نے پہلے بہاولنگر پر قبضہ کیا اور پھر بہاولپور میں تباہی پھیلائی۔ بہر حال میر فتح علی خاں کے سفیروں نے صلح صفائی کا راستہ نکال لیا۔ تیمور شاہ وہیں سے واپس ہوگیا۔ میاں عبدالنبی اکیلا رہ گیا وہ بہاولپور میں قلعہ ڈیراوڑ میں امیر بہاولپور کا مہمان ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ زمان شاہ سے عبدالنبی کی نہ بنی۔ عبدالنبی نے ۱۸۰۵ء میں راجن پور میں انتقال کیا۔ یوں سندھ میں کلہوڑوں کا عہدِ حکومت ختم ہوا۔

اب حیدرآباد پر میر فتح علی خاں، میر غلام علی خاں، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان چار بھائیوں کی حکومت "چار یاری" کے نام سے قائم ہوئی۔ ان کے والد کا چچیرا بھائی میر سہراب خاں ریاست خیرپور کا حاکم ہوا اور میر فتح خاں کا بیٹا میر ٹھارو خاں میر پور خاص کا حاکم ہوا۔ ان تینوں میں مرکزی حیثیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور تینوں میں گہرا اتحاد تھا۔ اس عہد میں سبزل کوٹ کا علاقہ نواب بہاولپور سے کراچی کا والئ قلات سے، شکارپور افغان حاکموں سے، لکھپت اور بست راجہ بھوج سے اور عمرکوٹ اور ریگستان مہاراجہ جودھپور سے واپس لیا۔

۱۸۰۳ء میں میر غلام علی خاں اور میر ٹھارو خان کے درمیان جنگ ہوئی، ۱۸۰۲ء میں حیدرآباد کے میروں اور انگریزوں کے درمیان "ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی فوجی مدد" کرنے کا معاہدہ ہوا جب کہ افغانستان کے حاکم زمان شاہ نے میران حیدرآباد کو انگریزوں سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے کہا تھا۔ بقول اعجاز الحق قدوسی "یہ معاہدہ پہلا بنیادی طوق تھا جو سندھ میں انگریزوں کی غلامی کا پڑا۔" نومبر ۱۸۲۰ء میں انگریزوں اور میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے درمیان طے پایا۔

ادھر کابل میں شجاع الملک ۷-۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور میرانِ سندھ سے خراج حاصل کرنے شکارپور آیا۔ میروں نے خاصا خراج دیا واپس چلا گیا۔ پھر خراج نہ ملنے پر ۱۱-۱۸۱۰ء میں شکارپور تک آیا، میرانِ سندھ نے پھر فرمانبرداری کا معاہدہ کیا اور خراج دیا۔ لاہور میں سکھوں کی برتری قائم ہوئی۔ میرانِ سندھ نے ان کو بھی تحفے تحائف بھیجے اور انگریزوں سے معاہدہ دراصل رنجیت سنگھ سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔ اسی اثنا میں شجاع الملک، سردار عظیم خاں سے شکست کھا کر شکارپور پہنچا۔ چنانچہ سچل سرمستؒ کی زندگی کے آخری دموں تک سندھ میں شجاع الملک جوابی کارروائی کے لیئے، سردار عظیم خاں میروں سے خراج لینے، رنجیت سنگھ ایک دھمکی کے طور پر اور انگریز اس ساری صورت حال میں سبھی مقامی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سرگرم عمل رہے، شاہ شجاع کچھ عرصہ درازا شریف میں بھی مقیم رہا جہاں سچلؒ بقید حیات تھے۔ شاہ شجاع خیرپور کے میر رستم علی خاں کے پاس اپنا سامان بطور امانت رکھ کر جیسلمیر کے راستے لدھیانے (انگریزوں کے پاس) پہنچا۔ اسی زمانے میں سندھ میں سید احمد شہید بریلوی کے مجاہدین آنا شروع ہوئے۔ یہ سارا دور خاصی افراتفری اور لوٹ مار کا دور ہے اور اس دور میں

سچل سرمست کو جو کچھ نظر آرہا تھا وہ یہ تھا۔

مکڙي ڏٺم موج ۾ تنهن ۾ مير ملاح
مڇيون مارن اوچتو ٻانڪا بي پرواه
لهر لجا جا ڪم جا ڄاڻي شوريا وتن شاه
هند ۽ سنڌ ڦي فلڪ نه آڻن مارن مُلڪ سپاه
وائڙا رکن تن مٿا ويچارا ويساه
آسرا اڙين جا آهن منجهه الله
ڏئي پاند پناه رکي وٺندو راج کي

ترجمہ: میں نے بیچ دریا ایک کشتی دیکھی جس میں ماہر ملاح سوار تھے۔ یہ لوگ خود کو سمندر کا حاکم سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس قدر بہادر تصور کرتے ہیں کہ ہند اور سندھ ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنے آپ پہ بہت فخر ہے اور خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی مکار اور دغاباز ہیں اور جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ مچھلیاں شکار کرتے یعنی دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ افسوس سادہ لوح لوگ ان پر بڑا ہی اعتماد رکھتے ہیں۔ تاہم انہیں (مقامی لوگوں کو) اللہ پر اعتماد ہے۔ وہ انہیں ان (فرنگیوں) ظالموں کے ظلم سے بچائے رکھے گا۔

جھوک شریف والے شاہ عنایت اور کھہڑا کے مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے حوالے سے سندھ کی مذہبی فضا اور کلہوڑوں، میروں، مغلوں، انگریزوں، افغانوں اور سکھوں کے حوالے سے سیاسی فضا میں سچل سرمستؒ (وفات ۱۸۲۶ء) نے ہرچند

گوشہ گیر فقیر کی حیثیت سے دن گذارے مگر خود کو ان حالات سے الگ تھلگ نہ رکھ سکے
شاہ لطیف بھٹائی کی شاعری میں ان کے عہد کی سیاسی اور مذہبی تصویر براہ راست حوالوں
سے نہیں ابھرتی مگر سچلؒ کے ہاں ہر شے شیشہ ہو تی جاتی ہے۔ منصوری روایت کی پیروی
میں وہ موجود کی نفی کرتے رہے۔ قاضی علی اکبر درازی "سچل سرمست، شاعرِ ہفت زباں"
میں لکھتے ہیں۔

"سچل نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علمار نے ان کو سزا دینے کاارادہ کیا اور
سرمستؒ کے پاس آئے ان کو تنبیہہ کرنے لگے کہ تم یہ کفر کیوں بکتے ہو۔ سرمستؒ نے ان سے
پوچھا کہ اس جرم کی سزا کیا ہے۔ علمانے کہا اس جرم کی سزا قتل ہے۔ سرمستؒ نے علمار
سے کہا کہ جس وقت آپ میری زبان سے انا الحق کا نعرہ سنیں مجھے فوراً قتل کر دیں۔ اسی
اثنا میں ان پہ وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ان کی زبان سے انا الحق
نکلنے لگا۔ اس لئے علمار نے ان پر تلوار سے کئی وار کئے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب
حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علمار نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا۔ سرمستؒ نے فرمایا۔
"یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ وہ ذات باری ہی لگاتی ہے۔"

اسی نعرۂ منصوری نے انہیں منصور، سرمد، شاہ عنایت، شاہ شمس سے وابستہ
رکھا۔ اسی نعرہ کے باعث فریدالدین عطار، مولانا روم اور جامی ان کے مرشد ہوئے
اور اسی باعث انہوں نے پنجابی کے بزرگ شاعر بلھے شاہ کے بارے میں کہا۔

بُلھے کوں بیراگی کیتو اسی جھہاں دا شہر قصور

بُلھے شاہ برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی زبان کے واحد شاعر ہیں جن کا ذکر سچلؒ
نے کمال احترام سے کیا۔ پنجاب میں ان دنوں بُلھے شاہ، علی حیدر، مولوی

لطف علی بہاولپوری اور وارث شاہ کا دور تھا' جو اسی ملک کے تھے' جس پر سچل سرمست گامزن ہوئے اور پنجابی کے یہ شاعر اپنے عہد کی سیاسی ابتری سے سخت پریشان تھے۔ علی حیدر نادر شاہ کے حملے پر ہندوستانیوں کو بے شرم کہہ رہا تھا۔ بلھے شاہ کہتا تھا۔ "بُرا حال ہویا پنجاب دا"۔ وارث شاہ کہہ رہا تھا "احمد شاہ از غیب توں آ پوسی آ ادئے"۔ اور مولوی لطف علی بہاولپوری پنجاب کے حسن اور سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے "سوہنے دیس پنجاب اُتے ہے پنجتن پاک دا سایہ"۔ طرزِ فکر میں اس اشتراک کے علاوہ سچلؒ اور پنجاب کے ان شاعروں میں لسانی رشتہ بھی تھا۔ کیونکہ جسے سرائیکی زبان کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں رشید احمد لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمست" میں لکھتے ہیں۔

"دراصل یہ ایک قدیم مشترک زبان ہے جو مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع میں قدیم علاقوں' قدیم شہروں اور قدیم قبیلوں کے نام کی مناسبت سے یاد کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں پنجابی۔ لاہور میں لاہوری' پوٹھوہار میں پوٹھوہاری' ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سرائیکی اور دوسرے کئی نام ایک ہی مقامی زبان کے لئے ہیں صرف لب و لہجہ کا فرق ہے"۔ ص ۲۱۶

"پنجاب میں اردو" کے مصنف پروفیسر محمود شیرانی نے پنجابی زبان کی وسعت پر کافی بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "پنجاب ملک کی زبان جس کو آج کل پنجابی کہتے ہیں اس کو امیر خسرو نے لاہوری کہا ہے۔ ابوالفضل اسے ملتانی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یورپ کے مؤرخوں نے اس زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ مشرقی پنجابی ۲۔ مغربی پنجابی' اور اس طرح انہوں نے مغربی پنجابی کو لہندا (سرائیکی) بھی کہا ہے"۔ ص ۲۲

اور بلاشبہ سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری کا لب و لہجہ وہی ہے۔ جو سلطان باہوؒ، شاہ حسینؒ بُلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، مولوی لطف علی بہاولپوری اور سید وارث شاہ کی شاعری کا ہے۔ یہ مغربی پنجابی یا لہندا کے شاعر ہیں۔

پنجابی شعراء سے سچل سرمست کا دوسرا اشتراک ان داستانوں کے ذریعے ہے جو سندھ اور پنجاب یا سندھی اور پنجابی میں بیک وقت مقبول ہیں اور جن پر شاہ لطیف بھٹائیؒ نے بھی طبع آزمائی کی ہے اور سچل سرمستؒ نے بھی۔ ان میں سسی پنوں، ہیر رانجھا ڈھولا مارو یا ڈھول بادشاہ اور سوہنی مہینوال (سوہنی میہار) شامل ہیں۔

سچل سرمست کی اردو شاعری کے بارے میں پیر حسام الدین راشدی کے مقالہ "اردو کا مولد سندھ" میں اردو کے تین ادوار مقرر کیے گئے ہیں۔ پہلا ۱۷۰۰ء سے ۱۷۴۷ء تک جس میں ولی دکنی (۱۷۴۴-۱۶۸۸) شاہ مبارک آرزو (متوفی ۱۷۵۰) شاہ حاتم (۱۷۹۲-۱۶۹۹) مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۷۸۱-۱۶۹۸) اور خواجہ میر درد (۱۷۸۴-۱۷۲۰) شامل ہیں جب کہ دوسرا دور ۱۷۴۷ سے ۱۸۴۳ء تک کا ہے۔ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں سودا، میر حسن، میر تقی میر، جرأت، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور رنگین وغیرہ آجاتے ہیں اور سندھ میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، منشی پرس رام مشتری، سید ثابت علی شاہ، شاہو بن روحل فقیر، سچل سرمستؒ، ضیاءالدین ضیاء ٹھٹھوی اور نواب ولی محمد خاں ولی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد اول میں لکھتے ہیں "ان کے (سچلؒ) کلام کا بنیادی موضوع تصوف ہے۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست ان کا فلسفہ حیات ہے۔ عاشقی و درویشی ان کا مزاج ہے۔ ذکر اور بے نیازی ان کے کلام کی جان ہے۔ سچلؒ کا کلام اپنی سادگی جذبۂ عشق اور مخصوص

موضوعات کے اظہار کی رچاوٹ کی وجہ سے اُردو شاعری کی مخصوص روایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ صہ ۹۴-۶۶۳۔

جب کہ بی اے بشارت نے اپنے مضمون "سچل سرمست بحیثیت ایک ممتاز اردو شاعر" میں لکھا ہے کہ" اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات کو جس انداز میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ ان کے ہم عصر اردو شعراء سے قطعی مختلف اور انوکھا ہے انہوں نے شعر و شاعری کی پرانی قدروں اور روایتوں کی تقلید بھی نہیں کی۔"

سچلؒ کے سندھی دیوان کے مرتب اور سابق ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ سندھ عثمان علی انصاری کا کہنا ہے کہ" سندھ کی ادبی دنیا میں سچلؒ ہی ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ محض اس لئے خراج تحسین دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے کہ اس طرح ان کے اعتقاد کو ٹھیس لگتی ہے سچلؒ کے کلام میں تصوف کی اس قدر لاتعداد خوبیاں موجود ہیں کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم گروہ کے دلوں پہ بھی حکومت کرتے ہیں اور لوگ آپ کے کلام سے نہ صرف لذات لسانی بلکہ تاثرات روحانی بھی حاصل کرتے ہیں۔"

کچھ متن اور ترجمہ کے بارے میں

سچل سرمستؒ کی چاروں زبانوں کی شاعری کے سلسلے مندرجہ ذیل کتابوں سے متن حاصل کیا گیا ہے۔

فارسی ــــ (۱) دیوانِ آشکار : سچل ادبی اکیڈیمی لاہور : دیباچہ، پرنسپل مخدوم امیر احمد ۱۹۵۷ء، وہی نسخہ جو خیرپور کے میر علی مراد خان نے پچھلی صدی میں شائع کرایا تھا۔

(۲) دیوانِ آشکار : مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی نمبر 2513-311 VI-P1

کتابت : محمد نشان فقیر۔ ۱۴ رمضان ۱۲۴۴ھ۔ اس نسخہ پر حاجی ڈنل (بندۂ ملتان سکنہ ڈیرہ غازیخان) نے لکھا ہے "ایں کتاب معروف باسم آشکار مصنف سچلؒ بادشاہ ملکیہ میاں نظر محمد میباشد۔" حاجی ڈنل نے اس نسخے کے خالی ورق پر لکھے شاہؒ کی ایک کافی بھی درج کی ہے۔ جس کا آخری بند ہے۔

بُلھا آیا ادہیں بہانے   حسرت، عبرت تتّے تتّے خانے
گاہ مستانے گاہ فرزانے   آپ انا الحق پردا   واہ دلبر کیہہ کردا

(۳) مثنوی : وصلت نامہ، عشق نامہ، تار نامہ، گداز نامہ، رہبر نامہ، راز نامہ، وحدت نامہ

دردنامہ، دیوان خدائی، غزل بحر طویل ـــــــ مرتبہ : قاضی علی اکبر درازی (روہڑی)۔

سندھی ـــ (۴) رسالو سچل سرمستؒ، مرتب عثمان علی انصاری

سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۸ء

(۵) سچلؒ جو رسالو (سندھی و سرائیکی) مرتب رشید احمد لاشاری ۱۹۵۸ء

پنجابی ـــ (۶) سچل سرمستؒ جو سرائیکی کلام، مرتب : مولوی محمد صادق رانی پوری۔

سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۹ء

(۷) سچل سرمستؒ سرائیکی دیوان، ترتیب ترجمہ : صدیق طاہر

پاکستان فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء

(۸) حضرت سچل سرمستؒ منتخب سرائیکی کلام، ترتیب و تہذیب : محمد اسلم رسولپوری

بزمِ ثقافت ملتان ۱۹۷۷ء

اُردو ـــــ متذکرہ بالا نمبر ۶ میں سے۔

دیوان آشکار کے دیباچہ میں پرنسپل مخدوم امیر محمد نے جو مندرجہ ذیل تاثرات دیئے ہیں وہ چاروں زبانوں کے مطبوعہ متن پر پورے اترتے ہیں۔

" و ایں جا باید کہ بصراحت واضح کنیم کہ سچل شاعری را ہرگز بطور پیشہ قبول نہ کردہ و گاہے قلمے بدست گرفتہ، بقوتِ فکر و تخیل شعرے موزوں نمودہ و بہ ترازوئے عروض سنجیدہ، بر کاغذے نہ نوشتہ، و نہ بر اشعارِ خود نظر ثانی فرمودہ بلکہ وقتے کہ براہِ حالت جذب و مستی طاری مے شد در آں حالتِ سکر و بے خودی ہرچہ بر دلِ مبارکش از عالمِ غیب وارد مے شد بہ اظہار آں دریغ نمی فرمود و رفقائے کہ در آں حالت

درمحفل او موجود مے بودند آں کلام را قلمبند مے نمودند۔ و ازایں جا است کہ شعر سچل در بسیاری مقامات از قید بحر و وزن آزاد مے نماید و در بعضے جاہا ردیف و قافیہ را ہم خلاف قاعدہ مستمرہ استعمال کردہ و پابندیٔ حرکات و سکنات را نیز التزام نہ نمودہ وفکِ اضافت کہ در شریعت شعرا حکم البغض المباحات دارد او را نیز بآزادی بہ عمل آوردہ و از استعمال الفاظ غریب و غیرمانوس بل از استعمال الفاظ ہندیہ و سندیہ نیز احتراز نہ ورزیدہ۔ گویا کلامش مصداق ''من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو'' مے نا شد و بعضے از خطاہا را مے توانیم کہ بدذوقی یا کم ذوقی نو پسندگان راجع کنیم''۔

مخدوم امیر احمد نے شائع شدہ سندھی اور سرائیکی کے بارے میں بھی کہا ہے کہ

''درجمع اشعار ہیچ سعی بعمل نیاوردہ۔ ایں عمل تا حال (۱۹۵۷ء) بموجب مقولہ سائرہ ''الآن کما کان'' باقی ست۔ شاید بعد ازیں مردے از غیب بروں آید، کارے بہ کند''

سچل سرمستؒ کے کلام کی ترتیب اور صحت کے لئے آج بھی ''مردے از غیب'' کا انتظار ہے مگر اس ضمن میں ابھی تک تو زیادہ بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ مثلاً صدیق طاہر اور اسلم رسول پوری نے جو انتخاب شائع کیا ہے اس کا متن مولانا محمد صادق رانی پوری کے ایڈیشن سے لیا گیا ہے البتہ صرف یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اصل میں جہاں لفظ ''مینوں'' ہے وہاں اکثر ''میکوں'' لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے مولانا محمد صادق رانی پوری کے سرائیکی اور اُردو، عثمان علی انصاری کے سندھی دیوان، مخدوم امیر احمد کے دیوانِ آشکار اور قاضی علی اکبر درازی کی مثنویوں کے متن کو ملحوظ رکھا ہے۔ پنجابی کی املا میں بھی ترجمے کی طرح اردو کی اِملا کے قریب تر رہنے کی کوشش کی ہے اور یہ وہ اِملا ہے جو شروع سے (اللہ دالے کی قومی دوکان) پنجابی کے لئے مناسب تصور کی گئی ہے البتہ جنوبی پنجاب

میں "د" کی جگہ جہاں جہاں "ڈ" کی آواز بولی جاتی ہے۔ وہاں "ڈ" ہی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ "میننڈا" جو پنجاب میں ضلع راولپنڈی سے لے کر نیچے رحیم یار خان اور ڈیرہ غازی خاں تک بولا جاتا ہے مزید جنوب میں اس کا نون غنہ تقریباً غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی املا "میڈا" کی گئی ہے۔

سندھی سے ترجمہ میرے بس سے باہر تھا مگر معروف سندھی ادیب آغا خالد سلیم نے کمال مہربانی سے مجھے اس فرض سے عہدہ برا ہونے میں ناقابلِ فراموش امداد دی۔ سچلؒ کے دوہے کی ہیئت البتہ اردو کے لئے اتنی مشکل اور مختلف تھی کہ ترجمہ میں اسے روائتی روپ دینا میرے لئے لازمی ہو گیا۔ آغا خالد سلیم کے ساتھ ساتھ میں رو ہڑی کے بزرگ ادیب حاجی علی اکبر درازی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں، جنہوں نے حضرت سچل سرمستؒ کے بارے میں مجھے خاصا مطبوعہ مواد عنایت کیا۔

________ جولائی ۱۹۸۰ء

سچل سرمستؒ کا شجرۂ نسب

حافظ عبدالوہاب سچل بن میاں صلاح الدین بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنو
بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم محمد حافظ بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم شرف الدین بن
مخدوم موسیٰ بن حافظ علم الدین بن مخدوم شہاب الدین بن مخدوم سلیمان بن مخدوم خواجہ
ابوسعید بن مخدوم نورالدین بن مخدوم محمود بن ابوالفتح بن محمد اسمٰعیل بن محمد یوسف بن سلیمان
بن محمد بن احمد بن برہان الدین بن عبدالعزیز بن عبدالوہاب بن عبدالمطلب بن برہان الدین
بن احمد بن عبداللہ بن یونس بن محمد بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللطیف بن محمد باقر بن محمد بن شیخ
شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ بن الخطاب۔

(سچلؒ جو سرائیکی کلام)

نعت

تعارف

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفت ، امواج محمدؐ
'قاب قوسین او ادنیٰ'
شرفِ شب معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچلؔ کوں غم کوئی ناہیں
کیتا لا یحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دی ڈِٹھم شور گھتیندی شبی
نا مخلوق سڈیجے اس نوں ، رنگ سمورا ربّی
رومی نہ ایرانی چالے رکھدا عزم ہے عربی
سچلؔ دا وچ ڈوہاں جہاناں مشکل حل مربی

کل نبیوں کا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرف، امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھائے
اس کی تجھ کو لاج محمدؐ
سچلؔ کو غم کوئی نہیں ہے
کر دیا لایحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دیکھی ہوئی روشن تیرہ شبی
کیا مخلوق کہیں اس کو انداز ہیں سارے ربّی
رومی نہ ایرانی ڈھنگ ہیں وصف ہیں سارے عربی
دونوں جہاں میں سچلؔ کا ہے مشکل حل مربّی

وچ درازیں دیرا

ڈاڈا، جان، محمد حافظ وچ درازیں دیرا
دست تھیں. دے اصلوں آہا سارا مقصد میرا
ہادی، مہدی، مرشد میڈا قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق بہر دم نال مریداں شامل
مہدی شاہ مربی میڈا رہبر راہ ڈیسندا
حق محقق، مستی مے دی، بے شک اوہ بخشیندا
شاہ عبیداللہ اساڈا، خواجہ پیراں پیراں
آل نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
ڈاڈا اس دا غوث الاعظمؒ مرشد کُل اولیاواں
قدم مبارک ہویا تحقق گردن سبھ سرتاجاں
کوئی اور نہ سجھدا میسوں آپے آہا ظاہر
اللہ نور السموٰات والارض اوہی منظر ناظر
ولقد کرّمنا بنی آدم و کلناھم فی البرّ والبحر
سچو ہر دم حاضر

شہر درازا ڈیرا

دادا مرا محمد حافظ، شہر درازا ڈیرا
ایک اسی کا فیض ہے سارا جو ہے حاصل میرا
ہادی مہدی مرشد میرا قادریہ ہے کامل
اس کے مریدوں میں ہے عارف عبدالحق بھی شامل
مہدی شاہ مربی میرا رہبر راہ دکھائے
حق محقق، مستی مے بھی وہ بخشے بخشائے
شاہ عبیداللہ ہمارا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
اس کا دادا غوث الاعظمؒ مرشد سب ولیوں کا
اس کے پاؤں میں رُلتے دیکھا تاج اور تخت شہوں کا
اللہ نور السمٰوات والارض ہے سارا ظاہر
اس بن کوئی نہیں ہے وہ خود منظر ہے خود ناظر
ولقد کرمنا بنی آدم وکلناھم فی البر والبحر
سچو ہردم حاضر

سندھی

وحدت

اَول پيري پَيج ، جي بَنـد خيالات جـا،
نَنَهِن پيچاتا ڏَج ، حَلاّجِي حيرت ۾،

پُنِي ءَ جَيجَ نه جُل ، مَنجهـ تماشي نه پَوين
گهوٽ ڪَري تون پاڻ کي ، ڪـرهَنگامان هُل،
پولِ نه ٻئي ڪَنهِن پُل، وَنـج ِحال مُحَلاّجَ جو

”تون“ هي سان ”تون“ لِپَنِ ”مان“ لِپَان ”تو“ سان،
”تون“ هِي“ آءُ سَپِهين، ”لا“ ۾ موجودات نِي،

بيرنگي ءَ مون رنگ ، پَسو جو پيدا ٿيُو،
ظاهر ۾ پِٽو زَنگُ ، موسيٰ ءِ فرعون جو

بندھن خام خیال کے اپنے پہلے توڑ
من میں اپنے ڈال لے، حیرت پھر حلاجؒ کی

جنج پرائی میں مت چل، نہ بن کوئی تماشہ
دولہا بن بارات کا، ڈال دے اِک ہلچل
راہیں باقی سب دلدل، رستہ بس حلاجؒ کا

"تو" کو ڈھونڈوں "میں" کو ڈھونڈوں پاؤں "تو" ہی "تو"
"تو" اور "یہ" اور "میں" سب دیکھوں لا میں تھے موجود

بے رنگی کے جائے رنگ ہیں، دیکھ فرق ہے کیا
موسیٰ اور فرعون کے سنگ ہیں، ظاہر میں ہیں جدا

ترن جا پاتين موج سامونڊ پاڻي مِهراڻ ۾؛
هي اُنهن جا اوج، جن سنبت سوري ۽ پارڊي

دين ڪُفر دِل دام، ڏڄ منڊيو ۾ موج ۾؛
تنهن ڪان پوءِ حُڪام، هر ڪنهن هنڌ تنهنجو هَلي

سوز گداز ۽ غَمُ، مِٽيو ۾ معافي ٿيو؛
مار دما مين دَم، عاشِق "انا الحق" جو

جاڻ نه تفاوتُ، عبد ۽ الله جو،
هوآهي اَمرتُ، هي پي ڏوڙنه اُن کَون

جتي ماڻهن ميڙ آهه، آڏ ڙتي ناهيان،
سي سنباهيان، پُٺِي ۾ شاهه حلاجَ جي

جي مَحِن ٿا آدمي، سي نه مَحان مان
ڪوئي آهيان آن جو پانهو ڪنهن جو نه ٿيان

تو جانے جو موج ہے وہ تو ہے مہران
سولی ان کا اوج ہے، چلے ہیں مقتل اور

کفر اور دین دلوں کے دام ہیں، یہ موجوں میں ڈال
اس کے بعد ترے احکام ہیں اور دنیا محکوم

سوز و گداز اور درد و الم سے مل گئی ہمیں معافی
عاشق مار انا الحق دم دم نوبت گونجے ایسی

جان نہ کوئی تفاوت عبد میں اور اللہ میں
یہ بھی تو ہے امرت وہ بھی جدا نہیں ہے

وہاں نہیں ہوں میں جس جا پہ ہو رہا ہے ہجوم
کہ میرے سر میں ہیں حلاج کے چمکتے نجوم

وہ مانتے ہیں جسے اپنا راہ نما، راہ بر
نہیں غلام نہ مانوں گا میں اسے دم بھر

جهڙد پانيم پاڻ کي ، تهڙد آهيان آن ڏ ؛
باقي رهيو نان ڏ ، ”سچو“ مون صاحب جو

اهُو ويو هاڻي ڪاڏي ، جنهن ”سچو“ سونان ڏ سڏايو !
مُکڙي ۽ منجهوُن ، ني دي ميان ، ٽيوگل پيدا ، دي ميان ،
مُنهُن ڪري بيٺو ماڏي .
سُڌ نه پئي ، ني دي ميان ، طرف اُنهي جي ، دي ميان
جان جُٽو ويو جاڏي -
اهو هلي ٿو ، ني دي ميان ، اهو چلي ٿو ، دي ميان
گوشو ڪيو دڃي ڪاڏي
ڏيهه ڏاڏا ٿو ، ني دي ميان ، اڳ ڏ نوسي ، دي ميان
يڪدم ڪئي پيڙا ڏي !
نان ڏ ”سچو ڏ“ جو ، ني دي ميان ، ويو او اڏاهين ، دي ميان
طلب ديئي پي ساڏي

جیسا سوچا آپ کو ویسا خود کو پاؤں
کچھ باقی رہ گیا مجھ صاحب کا ناؤں

وہ جو کچھ کہلاتا تھا کیا جانیئے اب کس اور گیا
نرم کلی سے پھول بنا اور مجھ کو تکتا رہتا تھا
کوئی خبر نہیں جان اور جسم کو لے کے کون سی سمت گیا
کیسے کنج میں چھپ بیٹھا جو چلتا پھرتا رہتا تھا
کچھ تو اسی سمت گیا جس سمت سے اس کا بلاوا تھا
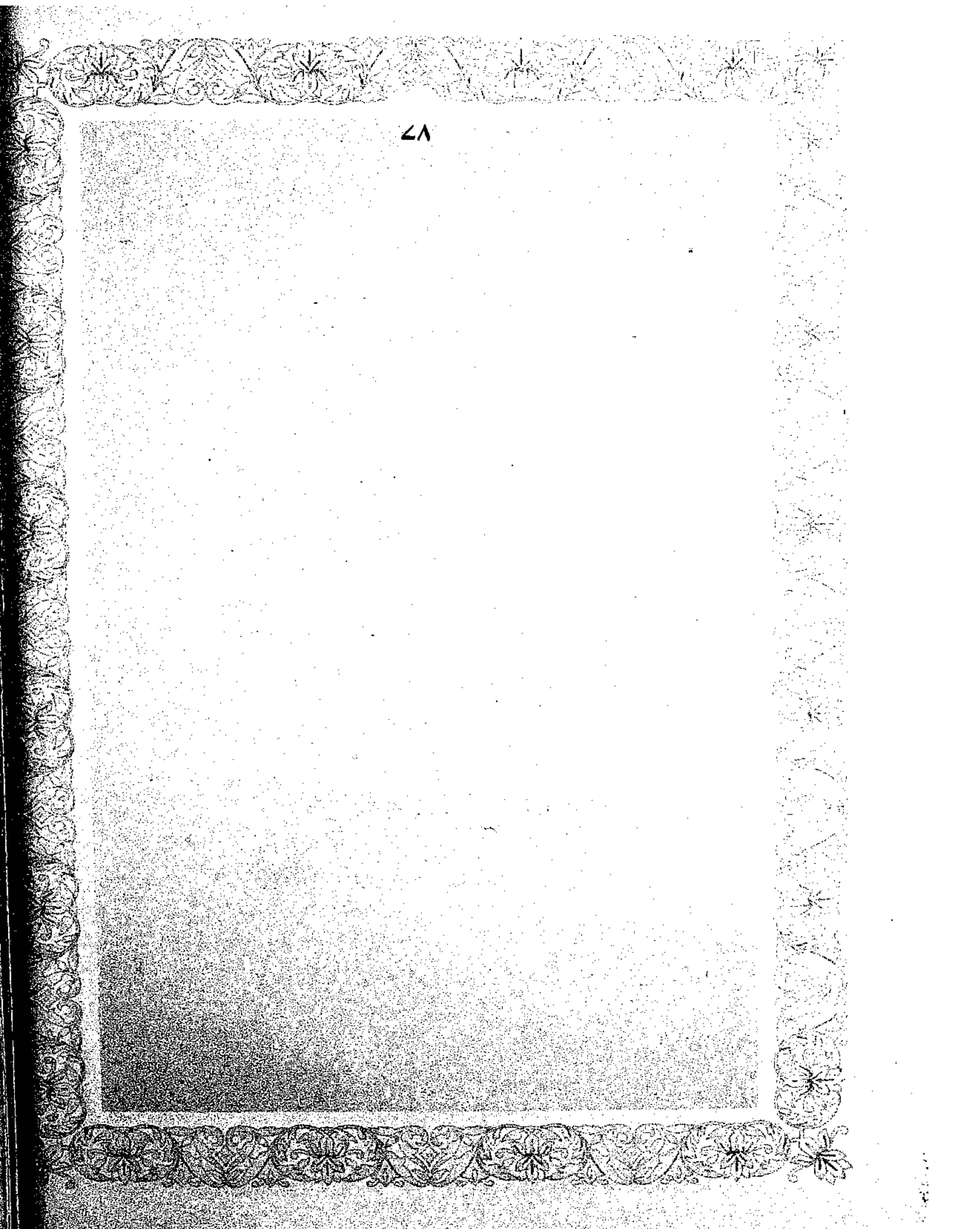
حقیقت

"سَچُو" سارو سَچُ ٿيو، منجهان ڪثرت ڪُل
الف مُئون آدم ٿيو، ڪري هنگامون هُل؛
هندو مومن سو ٿيو، پول نه پيءَ ڪنهن پُل؛
"خَلَقَ الاَشيَاءِ فَهُوَ عَينُهَا" اِهو آنُ عَمَلُ؛
تج ڳالهين گُل، مُرمار نئين منصور جان

اَچي اڌ ترياڻ، گهڙيس گهوري جندڙي
چڙهيس ڏاڍي چاه مَون، مستي موج مَٿاڻ
تڙ لهي ترياڻ. شرط لنگهي پيس شهم

سچو سارا سچ ہے کُل کثرت کا رنگ
الف آدم ساز ہے، ہنگامے رنگ برنگ
ہندو مومن، بھول نہ، سبھی ہیں اس کے ڈھنگ
آپ بنائے اور دیکھے، سیکھ اسی کے ڈھنگ
بن جا پھول گلاب کا منصوری تیرا سنگ

جاں بکف کود گیا میں تو سرِ موجِ بلا
مستی و شوق میں اس موج کو بھی زیر کیا
دی کناروں نے صدا، میں سوئے گرداب گیا

گھڙن جي گھيڙاءُ، ته انگھو عشق تن جو؛
جن کي عشق عَليل ڪيو، سي ايندئون اُوتاءُ.
جي سُور چکنديُون ساءُ، ميھرُ سي ماڻينديُون

ڪيم مھينالاءِ آءٌ پيلا پلي آھيان.
اچي آڪرڙيُون ڪُٺي، ”سَچوءَ“ کي سَرچاءِ
جاڻي جوڙيم جاءِ ته لڳم آڪرڙيُون م -

ماڻ ڪريان تان مشرڪ ٿيان، ڪيان تان ڪافر
اِنھي عَدائي عَدرُ، ڪو سَمجھي ”سچيڏنو“ چوي

روشَنُ ڪان نه رھن، آيَل اِھي اَکيُون
سِينکِيُھن ديل وھن، اِتَن اِش اوھيرن جا

پیار پتن سے آنے والی کا بھی گھرا ہوتا ہے
کود پڑے جو، اس کا پاگل عشق سنہرا ہوتا ہے
مہینوال ملے پر جن کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے

میں انجان ہوں جانیا، بولی نہ مجھے مار
ایک نظر اور خوشی کر دے تو اپنا سمجھ یار
ان نینوں میں اپنا رتبہ دیکھ لے اے دلدار

چپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں بولوں تو میں کافر ہوں
سچ ڈھیوجو بھید کی بات ہے کس کس کو سمجھاؤں

روتے روتے بس نہ کریں اے ماں میرے یہ نین
پل پل ان سے برکھا برسے جیسے ساون رین

ڏسڻ ۾ رڻ، اِهَا عادت آکين کي
سي سرهيُون شال هُجن، جن کي اَٿرا وهيرن جا

لايون پرت پَسن، اَڏُن آڳم اکين ميڙيا
سي تان ڪيئن نه وسَن، جن کي اَٿرا وهيرن جا

اَسان پرِين وِچ ۾، ددر وهي درياءُ
ڇولِيُون ڇران ٿي ڪري، پيو وجِهُي واءُ
سُٽِي آهان آءُ، ميان هِن مُشتاق جُون!

اِسان پرين وچَ ۾، جَرُ وهي جاري
هِڪڙ ڪو ڪُنن جو پوي، ٻيون ويريُون ڏي واري
هُتَ ساجن جاساري، سا ڍلي ڪينَ درياءَ ڪُئُن،

دیکھ دیکھ ساجن کو روئیں ڈھنگ ہیں میرے نین کے
شاد رہیں وہ آنکھیں جن کے سارے ڈھب ہیں ساون کے

پریت لگائیں آنکھیں، دیکھیں ساجن، برس پڑیں
یہ ساون سے ملتی ہیں اور ساون برس پڑیں

ندی کنارے ساجن ہے اور بیچ میں ہے طوفان
تیز ہوا، شہ زور ہیں موجیں، کانپے میری جان
ایسے میں میری آہیں سن کر پیا ملو تم آن

اس کے، میرے بیچ میں بہتا ہے دریا
گریں کنارے جس میں، شور مچائے موجِ بلا
ان کو کیسا ڈر جنہیں، ساجن یاد رہا

ڇَري ڇَري ۾ ڇِتُو، ڇربيو آهي لوڪُ

جو ڇَريُ لڌ وٺو ڪ، سوُ سچو آهه نه سيکنهين

عاشق مرندا ڪينڪي، رهندا ڪين مڪانَ ۾،

ديوانيَ درياءَ جو، پِيتئون پيالو پُرڪري

اَجر مَنجهه اَمرتيا اُهي گڏ يا ڪين جهانَ ۾

غيب ۾ جي غرق ٿيا، تن گهاءُ گَردَن ۾ لڳا

بولي ٻولن ٿا ٻي نڪا، اُهي رَهن "الامَانَ" ۾

ڪيئي پَڙ هندي سال ٿيا، روزا نمازون نفل ني،

تن ڪُنن ڪَل ڪانه ڪا، باطون جي بيانَ ۾

اس کو پاگل مت کہو پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو ملی ہے جو قسمت کہاں ہماری

کبھی نہ آئے موت اس کو وہ رہے مکاں سے دور

اس دریا سے بھرا پیالہ پی بیٹھا دیوانہ
اجر ملا اُسے امر ہوا وہ رہے جہاں سے دور
تن گردن پر گھاؤ لگے اور غیب میں ہے مستور
ہردم رہے اماں میں وہ تو حرف و بیاں سے دور
روزے، نفل، نماز گزارتے عمریں بیت گئیں
قتل ہوئے جو وہ تو رہے باطن کے بیاں سے دور

چين ولايت گهرڪري، گهڙي گهارن ڪينڪي

پَسَن هادي حَق کي، رهن ٿا بتيان ۾

هَردم آهي دم دوست ڏي، آهي سُونهن ٿا سرانجام ۾

سو ”سچوءَ“ کي ٻُي مليو، هي گُرا جي ته گيانَ ۾

ٿو دوستيءَ جو دم هڻين، پر ڪيئن ڪسي قُربان ٿئين

مهندِ مَنصوريءَ جي تُون، مَنجهه معرڪي مَردان ٿئين

دري صحيح ”اَنَاسِرّهُ“ تنهين اسم مَوُن انسان ٿئين

جي تو پوي سُڌ سور جي، حيرت انهيءَ حيران ٿئين

نعرو ”اَنَا الحَقُ“ جو هڻين، ٿي مرد سرميدان ٿئين

جي دم سُجاڻين پانهنجو، تون دين، تون ايمان ٿئين

”سچوءَ“ يڪايڪ ئي ٿئين، تون شمع، تون پروان ٿئين

ہادیٔ حق اسے دشت و بیاباں میں ہی آن ملا
چین، ولائت، دیس بدیس اور شہر گراں سے دور
آخرِ کار گیان میں سچو گورو وہ آن ملا
یاد کیا اسے ہر دم میں نے رہ کے جہاں سے دور

دم مارے یارانے کا پر ہو نہ سکے قربان
رستہ اک منصوری ہے اور وہی ہے مرد کی شان
"انا سرہٗ" کے اسم سے ہوا ہے تو انسان
دکھ سے حیرت ملے کہ جس سے تو ہوگا حیران
آئے انا الحق نعرہ مار کے آئے سر میدان
تو جانے جب خود کو تب سے تو ہی دین ایمان
شمع پتنگا جیسے سچو ہو جائیں یک جان

سسی پنوں اور ہیر رانجھا دو ایسے رومان ہیں جو سندھی اور پنجابی کے ادب میں ایک سی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف بھٹائی سے لے کر شیخ ایاز تک ہر ایک کی شاعری میں ان داستانوں کے رنگ دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعینہٖ پنجابی میں بھی ان رومانوی داستانوں کی ایک سی حیثیت ہے۔ پنجابی میں چھوٹے بڑے بیسیوں شاعروں نے سسی پنوں پر طبع آزمائی کی۔ سندھی میں سسی کی داستان یوں ہے کہ بھانبر نامی نہر کے کنارے ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن خدا مہربان ہوا۔ اس کے گھر میں چاند سی بچی پیدا ہوئی اس بچی کے بارے میں نجومیوں نے بتایا کہ اس کا بیاہ ایک مسلمان سے ہوگا۔ برہمن بہت ناشاد ہوا۔ مجبوراً ایک صندوق میں بہت سا سامان رکھا۔ بچی کو بھی بند کیا اور صندوق ندی یا نہر میں بہا دیا۔ بھنبھور شہر میں ایک لاولد دھوبی محمد عرف لالہ رہتا تھا۔ اس کے کارندوں نے بہتا صندوق پکڑا، اور مالک کو پیش کر دیا۔ محمد نے اس بچی کو اپنا لیا جوان ہوئی تو محمد نے جو یقیناً امیر آدمی تھا۔ سسی کے لئے محل اور باغ بنوایا۔ سسی کے حسن کا شہرہ عام ہوا۔ بھنبھور اور ٹھٹھہ تجارت کا مرکز تھے۔ تجارتی قافلے سسی کے حسن کی تعریف کیچ اور مکران کے ساحلوں تک لے گئے جہاں کے حاکم آری جام کا بیٹا پنوں تاجر کا بھیس بدل کر بھنبھور پہنچا۔ سسی نو وارد تاجر سے مشک و عنبر خریدنے گئی کہ یہ قافلہ اپنے ساتھ خوشبوئیں لایا تھا۔ سسی اور پنوں کے عشق کا آغاز ہوا۔ محمد نے پنوں کو آزمایا کہ اسی کی برادری کا ہے دونوں کی شادی ہوگئی اور دونوں بھنبھور میں رہنے لگے۔ پنوں کے باپ آری جام تک بات پہنچی تو اسے شہزادے کی حرکت سے صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں چنیسر، ہوتی اور نوتی کے ساتھ اپنے آدمی بھنبھور بھیجے، جنہوں نے دام فریب بچھایا اور ایک شب پنوں کو نشہ آور دوائی پلا کر اونٹوں پر ڈالا اور کیچ کی طرف بھاگ نکلے۔ سسی پر پہلی صبح فراق طلوع ہوئی اور پنوں کی تلاش میں تھلوں اور پہاڑوں سے گذرتی "پب" (پالس بیلہ) کی وادی تک پہنچی۔ وہاں ایک چرواہے نے اسے ہوس کا نشانہ بنانا چاہا، سسی نے خدا سے دعا کی۔ زمین شق ہوئی اور سسی اس میں سما گئی۔ کیچ میں پنوں ماہیٔ بے آب تھا۔ باپ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ پنوں کو بھنبھور سے سسی کو لانے کی اجازت مل گئی۔ پنوں تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا اور بصورت بھنبھور کی طرف چلا مگر راہ میں وہ مقام آگیا جہاں سسی زندہ دفن ہوئی تھی۔ اس کے دوپٹے کا پلو قبر سے باہر رہ گیا تھا۔ پنوں نے آسمان کی طرف دیکھا، دست دعا اٹھایا۔ سسی کی قبر شق ہوئی اور پنوں بھی اسی قبر میں سما گیا۔

سنّی

ويُنم لا لَنُ لوءِ، هيءَ اٺا سي ننڌ ۾
پکيءَ هيٺن نه پانيئو، پيو پروڙڻ پوءِ
هوتُ وتم جي هوءِ، تا سُک گذاريون ڏينهڙا

منهن ڏيئي آيام، جبل جهاڳڻ ڪيچ جا؛
طعنا تهمت لوڪ جا؛ سر چڱا چايام؟
پَٽ پکي ءَ پايام، سهرا سُور پريَن جا

لخين ڏيئي لت، پاڻ ٿي ڪريان پڌرو
سار وڃندڙ ڏو ڏيان، جيڏيون ڪارڻ جت
منهنجي ڪا مصلحت، هيُ هو ٻيا ڄڻ ۾؟

ڪريَ سات سوال؛ ته ڪيچن جي ڪا ڪَل ڏيو

میں تھی ابھاگن سوتے میں مجھے لالن چھوڑ گیا
ڈھونڈوں گی ان پاؤں کے نقشے مجھ کو خبر تھی کیا
ہوت جو ہوتا پاس تو جیون سکھ سے دیتی بِتا

پنّھ کی راہ میں کیسے کیسے پربت آتے ہیں
کیا کیا تہمت اس برہن پر لوگ لگاتے ہیں
لیکن دُکھ پریتم کے مجھ کو سُکھ بن جاتے ہیں

پربت پربت پاؤں دھروں وہ روپ دکھاؤں میں
وندر نک اس جنت کی خاطر ڈھونڈتی جاؤں میں
ہوت سبھا میں ذکر ہو میرا یہ سُن پاؤں میں

چھوڑ گئے ہو مجھ کو پیچھے کیچیو! سُنو سوال

جا ڇڏيائون ڇپر ڀين، موٽڻ تنهن مجال
هيءَ هيءَ آڏيائي ءَ ڏي، هٿڙا ٽيڙم حال
سنڌي هِن سنڀال، ڪا هئي هوتياڻين ۾؟

راتو ڏينهان رت، اوتڻ آيم اُن ڏي؛
آيل عشق عليل ۾، شال نه پوي ڦَٽُ؛
جبل سڀ جهاڳيي وڃي، جيڏيون ڏسان جَتَ؛
هِن مٽيءَ ءَ جومَت، پوي مذڪور پِرين ۾؛

گوندر گذاريام، سي ٿان پيلا ڏينهڙا
سيڪنهن ساعت سپرين، ٿي صحي ساريام؛
هڪي ڪشالا ڪاريام، ساعت هڪ سهڻ جي

ڪوڙين قرباني، ٿيان هوت پنهون ءَ تان
ساهه سري صدقي ڪريان، سندن مهاڻي.

ڈھونڈنے نکلوں میں محبوب کو ہے یہ مجھے مجال
اُس آرسی بن دیکھو آ کر مجھ پر پڑا وبال
ہوت کی محفل میں کہتا ہے میرا بھی کوئی حال؟

اس بن میں تو خون کے آنسو روتی ہوں دن رات
ڈرتی ہوں اس روگی عشق میں ہو نہ شک شبہات
پربت پربت روند کے جاؤں جس سے ہو ملاقات
اسی بہانے مجھ سوئی کی چھڑے وہاں پر بات

دُکھ میں جو بھی دن گذرے وہ سُکھ کے تھے ایام
ہر ہر ساعت اس کی یاد میں میں نے کیا بسرام
اِک ساعت مری آنکھ لگی، اسی کارن ہے کہرام

ہوت پنوں پر لاکھوں بار میں ہو جاؤں قربان
صدقے کر دوں ہر اک سانس کو وار دوں اس پہ جان

هي جوين جواني، تي اَجا ئي گـذري،

جبل جالـون جال، سو مون ڏدڙ نـه ٿئي
وڏا وڻ وڻڪار جا، ڪافن ڪوهه ڪشال
هي مون ڏسي حال، ٻار وڇو ٻا جهه ڪري

هن دم آڏي آٿـ، ناهيم حال هلڻ جو
مون نماڻي ۾ ڪان ڪـ، هي تر تيليو نه ٿئي

پهه سند دٿبو ڏور، رهبر ڪي ڪـ رُجن ۾،
ون ويچاري ۾ مُور، هي تر تيليو نه ٿئي

جي هئي ڪميڻي ۾ ڪل، تا صبح ويندو ساٿڙو
تان مون سنجن مهل، پـرزا پـرزا پاڻ ڪيو

ڏکـن منجهان ڏک، مُون تا لـڏاجيڏ يون
ڏوربيندي کي ڏک، سُونهان تيـڙا سڄڻان

یہ جوبن، یہ بھری جوانی، اس بن، بس گذران

پربت پربت اس کو ڈھونڈوں یہ میری تقدیر
دور دلکار کی چھاؤں ہے ابھی کوہ کی ہے تعزیر
مہر کرے شائد وہ دیکھ کے حال میرا دلگیر

اٹھتا نہیں اس دشت میں اب ایک قدم بھی
آری تو چلا آ تجھے ڈھونڈے ہے نمانی

دور دیس ہے تیرا، ساجن مجھ کو راہ دکھا
بھٹک رہی ہوں ویرانوں میں مجھ کو پار لگا

جو میں کمینی جانتی، جائیں گے یہ کل
پرزہ پرزہ کر دیتی میں خود کو ہی اس پل

سکھیو میں نے ہر ہر دکھ میں پایا ہے اک سکھ
تب پریتم کو جان گئی جب ڈھونڈن نکلی، دکھ

ھَن سھانگا سُکَ، جي ساري عالم آئيا
ڏور مھانگا ڏکَ، جي ورتا ور ھم وارئين

سينڌيون جي سُکن، تنين گوندر گھوريا
ڏنم ڪاڻ ڏکن، ھي سِرُ سارو سَتَ ۾

سُکيون ڪوه پُڇن، سنڌيون ڏکن خبران؟
سي ھِن وھان ۾ وڃن، ڏيل ڏکا بل جن جا

گوندر ڪيئن گھوريان، جنھن ڪيس سينڌي سڄڻين
جان تِڪ پئي تُوريان، تان ڏکُ موچارا سُکَ ڪَئُن

جي گوندر گوش نه ڪن، ڪھ ٻيون سي سرتيون
جَن سنگت ساڻ سُکن، سي پاڻون ھوت پري ڪيون

گوندر گھمي جي لھان، تان سُکَ سَوين ساڙيان
آئينُ پُڻ ڪيئن پاڙيان، ڏک سکن سان سرتيون

سب عالم کو ملتے ہیں یہ سستے سستے سُکھ
پریت کے ماروں کو ملتے ہیں ڈھونڈ کے مہنگے دُکھ

بھاگیں دُکھوں سے دیکھو یہ سُکھ کی داشتائیں
جھٹکے میں سر دیا ہے ہم نے کہ دُکھ کمائیں

سُکھ دالی کیوں خبریں پوچھیں جن کی دکھ ہیں گندلے
ہم نے تو سُکھ جان کے پہنے اپنے جسم پہ دکھڑے

جس دُکھ سے مجھے پیا ملا وہ کیوں کر دوں قربان
دُکھ سُکھ پاس جو رکھ کر دیکھوں دُکھ کی اور ہی شان

بھاڑ میں جائیں وہ سکھیاں جو سُنیں نہ دکھ کی بات
جن کی سنگت سکھ سے ہے کبھی ہوں نہ جوت کے ساتھ

ڈھونڈوں اور جو دُکھ مل جائیں سُکھوں کو آگ لگاؤں
دُکھ سُکھ کیسے ایک سے جانوں، سکھیو، کیا سمجھاؤں

چئين گوندرگوش، آءُ گهٽو تن نهاريان
جال اُنهن ۾ جوش، سدا آهي سرتيون

سُکن واريون سوَ، ڪا ڪا ورهُ وارثي
ترت انهيءَ کان توَ، پڳيون آتڻ واريون

آتڻ واريون آئيون، تيون آتڻ اُجاڙين
جي گوندر گذارين، آتڻُ تن اُوڪ ٿيو

سارو لوڪ سُکن پوءِ رهايو پرين ءَ ڪئون
ڏسو واهه ڏکن، هوتُ وهاريو هنج ۾!

منان وسارين وڃي وڃي ڪري وندرَ ۾
جي گوندر گذارين سي تو چڱا ڏينهڙا

گوندر جن گذاريو، ڪا تئون سي لهان؟
هڪڙي رات رهان، وجي ودهه وارثين

ان کو تکتی رہتی ہوں میں جن کی دکھ سے یاری
سکھیوان کا جوش تو دیکھو ہیں ان کے بلہاری

سکھ سے سنگت لاکھوں کی ہے کوئی کوئی دکھیاری
دکھ کی آنچ سے رہ رہ بھاگیں آتن والی ناری

آتن والی آئی ہیں اور کریں اسے اجیارا
دکھیاری کا اس آتن میں کیسے ہو گذارا

سکھ میں رہنے والے لوگ سجن سے رہ گئے دور
ہوت پنل آغوش میں ان کی دکھیوں کا مقدور

پکارتی رہو وندر میں بھولنا نہ اُسے
جو تیرے غم میں بسر ہوں گے دن وہی ہوں گے

جنہوں نے عمر گذاری ہے درد و غم کے ساتھ
بسر کروں کبھی اسے کاش ان کے ساتھ اک رات

گوندرجن گذاريو، آءُ تنهنجين گهولي،
هنيڙي ۾ هولي، هوندي ڏکن وارئين

گوندرجن گذاريو، آءُ پکي تن پيهي
ڏنائين ويهي، ڏنان ڏاس ورهه جو

گوندرجن گذاريو، مُنهن تنهنجين مهتاب
سنڌيون نيهن نواب، آهن ورهه واريون

ڪيڏيئن اچي قافلو، مون وٽ ٿيو مهمان
"سچل" ساري سات جو، هو آريائي اڳوان
مولي مهربان، پنڌ رنمائي ۽ تي ٿيو

ڪيڏيئن آيو قافلو، رات موچاري ۽ روءِ
مڙيو ئي خوشبوءِ، ٿيو سارو شهر پنهنجو

ڪيڏيئن آيو قافلو، ڪٿي ڪٿوري ۽ بار

میں ان کی گولی ہوں دکھ میں جو دن گذارتے ہیں
کہ ان کے سپنے تو ہولی کا عکس اتارتے ہیں

دکھ میں عمر بتاتے ہیں جو ان کے جاؤں دوار
دکھ کا باس میں لے لوں ان کے دو پل وہاں گذار

دکھ میں عمر بتاتے ہیں جو منہ ان کے مہتاب
وہ تو عشق کی نگری کے ہیں صاحب اور نواب

کیچ سے آیا قافلہ ہوا میرا مہمان
آری ان کا راہ نما آری تھا اگوان
کرم نمانی پہ ہوا مولا ہوا مہربان

کیچ سے آیا قافلہ چمکی کالی رات
شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی سوغات

کیچ سے آیا قافلہ لایا ہے کستوری

هر ڪنهن هند هُنڪار، ڪيئن سارو شهر ٻنپور رجو

ڪيچون آيو قافلو، خوب ٿيس خوشحال
چڱو ٿيڙم حال، پَسَڻ ساڻ پرين جي

شال نه وسرين هوت، ٻيو سيو مون وسري
مون کي تا ٿين موت، هٿين آ ڪتڙين م

ويم نڪري قافلو، هاڻي ڪيئن ڪيان؟
ويني ڏک ڏريان، پرين ري ۾ پرڏيهه م

ويم نڪري قافلو، ڏاڍو ڏيئي ڏک
ويٺي ساريان سُک، جو هيڪند هيس هوت سان

ويم نڪري قافلو، ڪائي نه پيئي ڪَلَ
سيني اَندر سَلَ، آئم آري ڄام جا

گهڻا ڏينهن ٿيا، مون ڏوريندي ڏونگرين

شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی مخموری

کیچ سے آیا قافلہ ہوئی ہوں میں خوشحال
دیکھ دیکھ کے ساجنا ہوتی جاؤں نہال

میں نہ بھولوں ہوت کو وہ مجھ کو بھولے
موت سمے بھی آنکھوں میں وہی سجا ہے

نکل گیا ہے قافلہ کیا تدبیر کروں
میں پردیسن ہوگئی بن پریتم دکھ بھروں

نکل گیا ہے قافلہ دے کر مجھ کو دُکھ
یاد کروں میں ہوت کی سنگت کے سب سُکھ

نکل گیا ہے قافلہ میں رہ گئی انجان
آری جام کے عشق سے سینہ لہولہان

پربت پربت تجھ کو ڈھونڈتے کتنے ہی دن گذرے

جي مون سڏ ڪيا، سي ٻڌي ٻاروچا ورين

جي مُنهِن ٻاروچي ڏسان، تا سَيَٽي ٽِيَنم سَڪ
ڏورتين مون ڏڱ، پَسَڻ ساڻ پرين ءَ جي

مون هَٿان پيٽي، ڏوهُ نه مٿن ڪوڏيان
حال ڇوان هيٺي، هَلي هوتياڻِن ڪي

اٿي ويا اوٺار، ڪٽي سات سويل جو
هاٺي اَديون آئيا، ڏورڻ مون ڏونگار
ٻيا ٻيي هوت هزار، منهنجو پيچ پُنهون ءَ سان

منهنجو پيچ پنهون ءَ سان، ازل لاڪون آهه
هاٺي ويهڻ ڇياهه. پيئڙ هن پنيورم

ڪريان ڪو پنيورم، وربنا ويهي
جيهي جي تيهي، آءُ تان سندن آهيان

میں نے بلوچا تجھے پکارا شاید پلٹ پڑے

دیکھوں مکھ بلوچ کا سب دکھ ہو جائیں دور
پریتم تجھ کو دیکھ لوں تو سکھ سے ہوں مخمور

یہ میرا ہی دوش تھا اس کا نہیں قصور
کاش اک بار میں ہوت سے حال کروں مذکور

اونٹوں والے لے گئے اپنے سنگ مرا یار
پربت پربت اس کو ڈھونڈے بخت مرا لاچار
مرا یار پنل تو ایک ہے، باقی ہوت ہزار

روزِ ازل سے، عشق سے، میرا پنوں سنگ
سکھیو شہر بھنبھور میں بیٹھوں کیا کس ڈھنگ

بن ساجن بھنبھور میں کیسے بیٹھ رہوں
جیسی تیسی ہوں سکھی میں تو پنل کی ہوں

ڪيو ڪميٽيءَ ڪچُ، جو سُتيي سويلي رهي
اُنهيءَ جي افسوس سين، ڪيو مَحبت مَچ
پنهون ڄام پَرچُ، ناميا نما ٿيءَ سان

پُنهون پنُهون ٿي ڪريان آءٌ پڻ پنهون پاڻ
آديون ڏيس اَڄاڻ، جو ڪين پروڙيم پاڻ کي

جان پروڙيم پاڻ کي، تان آءٌ پنهون آهيان
ڪنهين طرف ڪاهيان، جو طرف مڙئي تُم ٿيا

پيهي پروڙيوم، تان پنهون پاڻ ٿيءَ آهيان
پاڻ ٿي منجهان پاڻ کي، هيءَ پَٽ لاءِ پيوم
صحيح ڪن ڪيوم، ته غير گمان اُٿي ويا

عمر اَجائي گذري، ڪارڻ مَتيو رنگُ
مَن نهارڻ نه ٿئي، سانوَل سارو سَنگُ

دوش تھا مجھ کمین کا میں جو سو رہی
اب پچھتاوا آگ ہے سینے میں بھڑکی
جام پیوں اسے کاش اب مجھ پر ہو راضی

پیوں پیوں کرتی میں تو آپ ہی پیوں ہو گئی ری
سکھیو میں انجان رہی جو خود کو ڈھونڈ نہ پائی ری

کھوج لگایا اپنا، تھا پیوں ساری اور
ہر ہر سمت میں پیوں ہے کونسی سمت اب اور

ڈوبی اپنے آپ میں، تو میں ہی پیوں تھی
اندر سے آوازیں آئیں میں ان کو تھی جانتی
بیچ سے غیر گمان گیا، آواز کو جب سمجھی

جیون بیتا کالے بالوں نے بھی بدلا رنگ
نہ دیکھوں کہیں اور کو سکھیوں کا نہیں سنگ

هِن نماڻي ءَ جِر ننگ، آ ھ اوھان تي سُپرين

وڃي ڪيچ وڻن م، ڪامل تنهين قرار
ڏيچاري م وسار، جا اڃهي آهي آنهنجي

وڃي ڪيچ وڻن م، تنهين جانب جاءِ
هُوجي ادري ڪيچ ڪوُن، سي مون لڪ لنگهاءَ
پنهنجو پاڻ پساءِ، نانہ ڦي دوست دم ڏيان

هوجو ڪيچ وڻن مَوُن، اچي واءُ ورِيءَ
سومون کي محبوبن جي، ڏئي خبر ڪري
ويان تام مَري، جان پاروچي مُنهن ڏسان

هوجو ڪيچ وڻن مَوُن، ورييو اچي واءُ
ماريون تنهن مٿاءُ، هي ءُ سِر ڪريان صدقي

هوجا ڪيچ وڻن مَوُن، ڦي هير اچي هاڻي

ساوَل مجھ نمانی کا پردے میں لیجیو ننگ

تُو تو بیٹھا کیچ میں مَن میں لئے قرار
جس کو تیرا آسرا اس کو تُو نہ بِسار

تو تو سُکھی سُکھی جا کر کیچ میں بیٹھ رہا
کیچ اور مجھ میں پربت حائل ان سے پار لگا
دم توڑوں گی راہ میں ورنہ مُکھ دکھلا

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر جب جب آئے ہوا
محبوبوں کی خبر خبر مجھے دیتی ہے وہ سُنا
سانس نہ نکلے جب لگ مُکھ بلوچ دکھائے آ

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر سکھیو آئی ہوا
ان جھونکوں پہ جان اپنی قربان کروں میں سدا

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر ٹھنڈی آئے ہوا

تنهن آريا ڻي آئي، جڻ مون سان اَڄ ملايو

هوجا ڪيچ وڻن مَؤن، اَڄي هيرَ هلي
مون ساري ڳالهه سلي، پرين سندي پارَ جي

هوجا ڪيچ وڻن مَؤن، لڳي تيز تنوارَ
سندي پرين پار، تنهن ڏنا دلاسا دل کي

مارڳُ مَتا هون ٿيو، مارڳ چڙهي ڪير؟
سا پڇي سات سوير، جائي مارڳَ تي مري

مَلهي مارڳ مرُ، تان تون تنين جي تئين
جيل هار نه جرُ، ار تو اَکرُ ين مون

مارڳ مرڻ آهه، گهوريو جيڻ جيڏيون
پير نه پوئيون پاءِ عاشق مرُ اڳي تئين

مارڳ مران شال، دعا ڪريجو جيڏيون

یوں لگتا ہے آرسی سے مجھے دیا ہے اس نے ملا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر ٹھنڈی آئے ہوا
اس نے یار کے دیس کی ساری باتیں دیں بتلا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر آئے تیز ہوا
دے دلاسے یار مجھے آمیری دھیر بندھا

منزل کیسی اونچی ہے کوئی اس تک کیسے جائے
سانجھ سویرے ساجن ڈھونڈے وہ منزل کو پائے

منزل ملے تو خوش ہو ہو کر کر دے جان فدا
خون کے آنسو رو رو کر مت کر پربت گیلا

منزل پر مرنا سیکھو اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہٹتے دے بڑھ کر اپنی جان

سکھیو کرو دعا، منزل پر مجھ کو آئے موت

هوت هيڙي حال. مانَ مٺا ن مون هٿ ڏئي

هُوسياڻا سُپرين، عاجز هي ۽ آجاڻ
آنڌُ ڪي هياري ڪاڻ، مٿي راهه رئان گهڻو

ٻاري ٻره بلوچ جو، رڳو رئي راحت
سارِيان سا ساعت، جا هيڪَند هُيس هوت سان

ٻاري ٻره بلوچ جو، آهِ سُور ۽ نُورُ
راتو ڏينهان روح ۾، مُحبن جو مذڪور
وڃڻ آهه ضرور، ڪا ڪيئن ڪيچيڙن ڏي

ٻاري ٻره بلوچ جو، اوانداهي ۽ اوجَرُ
ساٿي آهه سَيرَ، سو نه ڇڏيندو ڇيَرين

پند عجائب پرِين ۾ جو "مان" سان ڪين هلي
ساٿي ڇاهه ڇَلي، جنهن "مان" ڇڏي وچ ۾

مرجاؤں تو شائد مجھ پر چھاؤں کردے ہوت

سجن سیانے، میں عاجز انجان میں کیا جانوں
میں کو ہیارے کی خاطر راہوں میں روتی رہوں

یار بلوچ کے ہجر کی آگ ہے مجھ کو راحت لیکھ
یاد کروں اس ساعت کو جب میں اور وہ تھے ایک

یار بلوچ کی برہا کی تو آگ ہے نور ہی نور
میری روح میں رات اور دن بس اس کا ہے مذکور
کیچ کی مشکل راہوں پر مجھے جانا پڑا ضرور

یار بلوچ کے ہجر کی آگ سے روشن ہوگئی رات
ساتھی میرے جیون کا نہیں چھوڑے گا مرا ساتھ

اس کی راہ عجیب ہے "میں" سنگ کوئی نہ جائے
"میں" کو پیچھے چھوڑے جو، وہ اس پر چل پائے

سوين ڳڻ سندان، مان تي ساريان سرتيون
سگھا ٿيندا سُپرين. مون تي مهربان
ويهان ڪيئن مان ڪري، جي ۽ متي جولانَ
ءُ ڪيئن ۾ ارمان، هيهڙ ۽ هوت وساريان؟

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، مان تي اڱڻ نهاريان
ساريو سُپرين کي، هنجون آڻ هاريان
گوندر گڏاريان، هي هي سارا ڏينهڙا

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، تنگ انن تاڻي
هوتن ڏي ۽ هاڻي، اڱڻ نهاري نه سگهان

ويئي ڪيچيڙا ڪالهه، تون اڄ ٿي پير نهارئين
هولنگهي لڪ سنوان ٿيا، توهت هِهڙا حال
ڪند ٿي سارُ سنڀال، وحي ڪيچ وٽن ۾

سکھیوجن کو یاد کروں میں اُن کے گُن ہزار
چپ بیٹھوں کیسے جب مجھ پر کرم کرے مرا یار
میرے اندر اس کی پریت کی آگ کی ہے بھڑکار
ایسے گُن جب ہوت کے ہوں میں کیسے دوں بسار

پنچھی کل گئے میں ڈھونڈوں آج اپنے آنگن
پل پل یاد کروں پریتم کو آنکھوں میں انسون
اب تو دکھ کے ساتھ ہی گذرے گا سارا جیون

پنچھی کل گئے اونٹوں کے باندھ کے سارے تنگ
کیا دیکھوں میں آنگن کو جب ہوت نہیں ہے سنگ

پنچھی کل گئے میں ڈھونڈوں ان قدموں کے نشاں
پربت پار وہ سیدھی رہ پر پہنچے کیچ جہاں
بیٹھ گھنے پیڑوں کے نیچے کریں گے میرا بیاں

اَڳڻ ساڳي اوءِ، پَرَ ڪيچن کي ڪاٿون لهان؟
ڏيي ڦَٽَ فِراق جا، پورهيت ڇڏيون پوءِ
هاڻي راهُن مٿي روءِ، سڏ ڪريندي سات کي

اَڻ مُلهي آهيان، پانهي پارو ڄڻن جي،
سي ڇِپَرُ ڇايان، آهن ۽ دا نهن سين

ونددم ويهان، ڦولن پيون پرين ۽َ کي
نال جنين نيهان، هوت تنين جي هنج ۾

هوت پرين هڪواري، مُون کي اچي مِلُ ميان!
ڏونگر ڏررُڻ مون نه ٿئي، ميان الا، آءٌ اوري تون آري
ڳچيءَ پائي ڪپڙو، ميان الا، زور ڪريندس زاري
جا ادها نجڙي ڪونجي، ميان الا، سا تو ڪيئن وساري؟
هيجُون ڪنيم سر تي، ميان الا، بار برهه جو ڀاري

یہ آنگن تو وہی ہے لیکن پنچھی گئے کہاں،
دے کے زخمِ فراق کے مجھ کو چھوڑ گئے ہیں یہاں
کوک پکارا انہی راہوں میں پھرتی رہ گریاں

یار برہن کے ہاتھوں میں بک گئی ہوں انمول
اس آنگن میں سسکیں گے اب میرے دکھ کے بول

وندر میں کئی اپنا اپنا ساجن کھوج رہیں
ہوت ان کی آغوش میں جن کے نیناں لگے کہیں

ہوت پریتم، مان خدا کا نام، میاں مل جا
دشت و جبل میں ڈھونڈ نہ پاؤں رل جا آرسی جام
ڈال دوپٹہ گردن میں میں منت کروں سلام
اسے بھلایا جس نے جیون کیا ہے تیرے نام
کیسے ہنس ہنس سہ گئی ہیں سب برہا کے آلام

ويني ڏسان واٽڙي، ميان الا، مونجهه اوهان جي ماري
"سچوءَ" سندو سڄڻا، ميان الا، ٿيو فراق فراري

نتي وٺي ڳالهه ڪا پي، ڏي جيڏيون، مون کي نتي وڏي
آءٌ نه ڪنديس، وي اهڙي، پلو ميان
ڪيچن جا مون سان ڪي
اوهان منڙن م، وي، مست جو تيڙس
پيالو عشق جو پي
اوهين مڙيئي، وي، عقل واريون
آءٌ جو بيراڳڻ ٿي
"سچوءَ" پڇاڻا، وي، سپرين، پلو ميان
ڪوه ڪنديس هت ڪي

دکھ کی ماری راہ تکوں میں تیــری صبح و شام
تیرے دُکھ نے پیجوؔ کا کر ڈالا کام تمام

بھائے نہ جی کو بات کوئی، نہ بھائے کوئی بات
میں نہ بتاؤں میاں جو پیچوں نے بتلائی بات
عشق پیالہ پیا تو چھا گئی مستی کی پارات
میں تو ہوئی بیراگن، رہ گئے تم ہی عقل کے ساتھ
جینا میــرا کس کارن جب پیجوؔ نہیں ہے ساتھ

سندھ میں سمہ دورِ حکومت میں ایک سردار جسود حسن تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ایک درویش نے دعا کی کہا بیٹی ہوگی مگر اسے کوڑھ کا مرض ہوگا۔ بیٹی ہوئی کوڑھ کی مریض، سب علاج بیکار گئے تو اسے دایہ کے ذریعے جنگل میں پھنکوا دیا گیا۔ کینجھر جھیل کے کنارے مچھیروں کی بستی کا بے اولاد کینجھر سردار کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک دینے آرہا تھا کہ راستے میں اسے دایہ مل گئی۔ جس سے بچی کا قصہ معلوم ہوا تو کینجھر اس بچی کو اپنے گھر لے آیا۔ اس کا نام نوری رکھا۔ نوری کینجھر کے گھر جوان ہوئی تو اس نے اپنے بھتیجے سے نوری کی شادی کرنی چاہی مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ نوری چاروں طرف اپنی بدصورتی کے لئے بدنام تھی، نوری کو بھی اس کا احساس تھا وہ اپنے جسم کو چادر میں اور منہ کو ہمیشہ نقاب میں رکھتی تھی ان دنوں جھیل کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر شاہ ہونڈرو نامی بزرگ عبادت کیا کرتے تھے نوری نے ان کے آستانے کی خدمت شروع کر دی، وہ ہر روز کشتی پر اس آستانے تک جاتی، صفائی کرتی، پانی بھرتی، دیا جلاتی اور واپس آجاتی۔ کئی برس گذر گئے، شاہ ہونڈرو کی وفات کے دن قریب آئے تو انہوں نے نوری کو بلایا اور پوچھا بیٹا تجھے کیا چاہیئے نوری نے مرض سے نجات حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا؛ بزرگ نے اسے سات چادریں اوڑھ کر پانی کے سات لوٹے اوپر ڈالنے کے لئے کہا، نوری نے بزرگ کے دیئے پانی سے ایسے ہی غسل کیا اور پھر شہزادیوں سے بھی حسین نوری نکل آئی۔ اس کے چہرے سے روشنی پھوٹتی تھی۔ چنانچہ پہلے بدصورتی اور اب بے پناہ حسن چھپانے کے لئے وہ ہمیشہ منہ پر نقاب رکھتی، نوری اب بھی بزرگ کی خانقاہ پر دیا جلایا جاتی۔ ان دنوں سندھ کے سمہ حکمران جام تماچی (رکن الدین شاہ جام تماچی ثانی ۱۳۸۸-۱۳۹۲ء) نے جھیل کے کنارے ایک ماڑی (حویلی) بنوائی تھی اور شکار کھیلنے آتا تو اس میں ٹھہرتا، ایک رات نوری بزرگ کے مزار سے واپسی پر اندھیرے میں راستہ بھول گئی، راستہ ڈھونڈنے کے لئے چہرے سے نقاب الٹ کر روشنی کی جس کی جھلک اس وقت جام تماچی کو نظر آگئی۔ اس نے وزیروں کو اس روشنی کا پتہ لگانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوری کا حسن تھا۔ جام تماچی نے نوری سے شادی کر لی، جھیل نوری کے باپ کینجھر کو دے دی جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ جام تماچی کو نوری سے بے پناہ پیار تھا، نوری کی سادگی کی اداؤں نے اسے جام تماچی کی نظر میں دوسری رانیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ نوری نے اپنا مچھیرن ہونا کبھی نہ بھلایا اور دوسری رانیوں سے تقابل میں اپنی اس عام حیثیت کو اتنی مہارت سے استعمال کیا کہ جام تماچی اسی کا گرویدہ ہوگیا، حسام الدین راشدی مکلی نامہ کے حواشی میں لکھتے ہیں۔ ”تحفۃ الاکرام“ کے مطابق اس جام تماچی اور نوری کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے مزار کے پاس ایک حجرے میں موجود ہیں۔

تون سمو سردار، آءُ ميئي مهاڻي آهيان؛
تنهنجي ۽ شفقت مهر جو، آهي ڪونه شُمارُ
گندي ۽ گاندر گهرڪان، ڪيو ساري عالم عار
متي تنهن مَدارُ، تو ساري ۽ ڪينجهر ڪيو

تون سمو سائين، آءُ ميئي مهاڻي آهيان؛
مون لَڄ رهائين، جو پَلئَ لڳيس تا نهنجي

آءُ ميئي مهَاڻي، تون سَمو ساري سَرَ جو
قرب منهنجيو ڪهڙو ڇا ڻيو تو ڇا ڻي
ڪاري سرڪنيم ڻي، پڇي ۽ ڪِڪي ۽ هارِڻي،

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو سمہ سردار
تیری شفقت مہر کا کوئی نہیں ہے شمار
ہر کوئی دور رہے ان سے گندے گھر ہمار
کینجھر نے پر رکھا ہے تجھ پہ دار مدار

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو ہے سمہ سائیں
تیرا دامن تھاما ہے تو ہی لاج بچائیں

تو سمہ سردار ہے، میں (ماہی گیر) مہانی
قربت مجھ کو بخش کے پریت مری پہچانی
میں نے بو کی ٹوکری سر پہ اٹھائی جانی

راڻا تنهنجي راڻ سان، ٿيس راڻن جي راڻي،
توسماسيباڻي، نه ته هيس بيهودي ٻچڙي

چوليون جن چڪ هيون، اَڄ تيون لالين لاٿو
جُتيون جَڙائُو، پايون وتن پير ۾

مَڪَ برابر نه ڪريان، مانڪ موتِن ساڻ
سَمو ڄام سُڃاڻُ، جنهن چارو ڄام ڪُلهي ڪيو

رنگ ڪاري رُويون، هيون مٽي ملاحن جيون
سي ڪنيون ڪارڻ ۾ آڇن، دَرا ۽ دُويون
جت بيحد بدبُويون، اُت الله عطر اوتيا

منهن مِٽي ۽ ميريون هيون، بيهوديون ٻچڙيون
گِهڻ گِهڻ نوري ۽ گِهنگر ڏيِم ڇم تيون ڇيريون
سي ياڻ سهاڳ ڏٺي، ڄي جي هُن هيريون

تو راضی تھا میں ہوئی رانیوں کی بھی رانی
میں بے ہودہ، بدصورت تونے قدر ہے جانی

جن کی چولی میلی تھی مہک رہی ہے آج
ہوئیں جڑاؤ جوتیاں ان پاؤں کی محتاج

مانک موتی جانتی نہ میں مچھلی کے مول
جال اٹھا کے سمہ جام جانے تو ہی تول

ملاحوں کا جیون کیسا رنگ تھے ان کے کالے
آج آئے ہیں سر پہ اٹھائے ٹوکرے مچھلی والے
مہر خدا کی، نہیں ہے بدبو، خوشبو کے ہیں جھالے

میں مٹی کی مورت تھی نہ روپ تھا نہ کوئی رنگ
اب نوری کے گھونگھرو چھنکیں چھن چھن پائل سنگ
میں سمے کی سہاگن ہوں اور سمہ میرا ننگ

لوهاڻيون لوڙيون، پارس لڳي سون ٿيون

ٻهه ڏوڏا جن ڏاجُ، ٿوت جنين ڪمُ ڪوڙيون
انهن جو اِحتياج ته تماچي ڪيئن ڪيڏي

نوري ۽ ڪيو نازُ، ٿي ريجها ٿي راوَ ڪي،
نت نت جام نيازُ، ٿو آچيو انهن جو ڪري

تون تماچي جامُ، آءُ ميئي مها ٿي آهيان
ڏنو تو آرامُ، ڪينجهر ۾ ڪنڌين ڪي

پلڪ مون پاتو ۽، تون راجا لڄ رها ٿيين
سما سچا تو ۽، ڪامل پنهنجي قُرب ڪي

تون سمو سُلطان، آءُ ميئي مها ٿي آهيان
تون مون ڏنهن مهربان مون ڪيهي ڪاڻ ڪُرم جي

مَڪَ برابر نه ڏيان، تو ڏي پرين موتئين ماڻ

لوہا میرا سر پہ تھا ہوگیا سونا پارس سنگ

جھیل کے بوٹوں کے جڑ ڈوڈے جن کا تھا کبھی داج
جام تماچی دیکھو ان کا ہوگیا خود محتاج

راؤ کو رجھائیں پل پل اب نوری کے ناز
جام تماچی نت نت آن اٹھائے ناز نیاز

تو تھا جام تماچی میں تھی (ماہی گیر) مہانی
تیرے دم سے سکھ میں کینجھر جھیل، کنارے، پانی

میرے گلے میں ڈال کے پلو راجا نے پہچانا
میں سمہ! تیری لاج ہوں میں نے بھی یہ جانا

میں ہوں (ماہی گیر) مہانی تو سمہ سلطان
کیا پرواہ کسی کی، گر ہو تیرا کرم ہر آن

مچھلی سے برابر ہیں کب موتی کے تھال

ڄيو مون ڪميڻيءَ ڪاڻ، ڄارو ڄام ٻڪُلهي ڪنيو

مَڪَ موتين ٿي نه ڏيان، توڙي هُئن ياقوت ٻيات
ڪوجهي مان ڪم ذات، پر ڄارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

مهاڻيءَ جي منہ م، نه هو ڪِيرَبُ ڳاءُ
نيڻن سان ناز ڪري، ريجها ياڻين راءُ
سَموسَپنني ڪانءَ، وَئي وينئي پاڻ سان

پَلٽي لڳي آهيان؛ آهيان اَياڻي؛
سَمي سُڄاڻي، ڄارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

فارغ ٿِيَن نه فراق کون، ويجها ڪين وصال
گم ٿِين ڪئن گم ٿيا، نڪا سرت سَنڀال
اَئي ٿيل نه ٿال، ”سچو“ صُمٌ بُڪُمٌ ٿيا

جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مچھلی نہ دوں، ہوں چاہے موتی ہیرے لال
جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مہانی (ماہی گیر) دغا نہ کوئی کمایا
آنکھوں کے سو ناز تھے جن سے دلئے رجھایا
ساری رانیوں سے چھینا، اپنے پاس بٹھایا

دامن تیرے میں لگی، میں بھولی انجان
جال اٹھایا سمہ نے اور مجھ کو لیا پہچان

نہ فارغ میں ہجر سے نہ ہی قرب وصال
غرق ہوئے تو غرق ہوئے، گم بھی ہوئے کمال
صُمٌ بُکمٌ سچو ہے وہاں نہ قیل نہ قال

یہ کہانی عمر ماروی کے نام سے مشہور ہے اور سندھ کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اپنی شاعری کے لئے اس کہانی کا کسی نہ کسی طرح سہارا نہ لیا ہو، تھر کے ایک گاؤں میں مارو قوم کے لوگ رہتے تھے ان میں ایک شخص پالنہ تھا جس نے ایک خوبصورت رتھ بنایا۔ جسے ہرن کھینچتے تھے وہ اسے ننگر پارکر کے راجہ پھول کے پاس لے گیا۔ راجہ نے یہ رتھ اس سے مانگ لیا مگر پالنہ نے کہا کہ اس نے یہ رتھ کسی اور بادشاہ کے لئے بنایا ہے اس لئے وہ اسے دوسرا رتھ بنا دے گا۔ راجہ پھول نے پالنہ کو اپنے محل میں مہمان رکھا مگر رات کو پالنہ کو خیال آیا کہ راجہ اسے مروا کر یہی رتھ نہ لے لے۔ چنانچہ وہ رات کو رتھ لے کر بھاگا۔ لیکن آدھی رات کو رتھ میں سے ایک عورت نے اسے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ یہ عورت راجہ پھول کی رانی ماڈونی تھی۔ جس سے راجہ کسی بات پہ ناراض تھا۔ رانی کے بچہ بھی ہونے والا تھا۔ وہ دراصل اپنے محل میں سیر کر رہی تھی کہ اسے باغ میں کھڑا رتھ خوبصورت لگا وہ اس میں بیٹھی اور سو گئی اور اب پالنہ کے ساتھ تھی، پالنہ بھی واپس جانے سے ڈرتا تھا اور رانی کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملیر آ گئے جہاں ماروی پیدا ہوئی۔ پالنہ نے رانی ماڈونی کو بیٹی بنا لیا تھا۔ پالنہ نے ایک لاوارث بچہ پھوگ پالا تھا وہ جوان ہوا تو خوبصورت ماروی پہ عاشق ہو گیا اظہار عشق کیا تو ماروی نے جھاڑ دیا۔ پالنہ نے ماروی کی نسبت اپنے رشتہ دار کھیت سے کر دی۔ پھوگ جل گیا اور ملیر چھوڑ کر عمر کوٹ آ گیا اور بادشاہ عمر سومرو (تحفۃ الکرام کے مطابق وفات ۵۷۶ھ یا ۹۳ھ) سے ماروی کے حسن و جمال کی بے پناہ تعریف کی۔ عمر بھیس بدل کر ملیر پہنچا۔ پیاسا مسافر بن کر ماروی کو سانڈنی پر ڈال کر اپنے محل میں لے آیا۔ ماروی نے لالچ اور پیار دونوں کو نامنظور کیا۔ قید میں ڈالی گئی، مگر خانہ بدوش ماروؤں کو نہ بھلا سکی۔ عمر کی دایہ نے ماروی کو پہچان لیا کہ یہ اسی خاتون کی بیٹی ہے جس کا دودھ عمر نے پیدا ہونے کے بعد پیا تھا کیونکہ عمر کی ماں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ دایہ نے عمر کو یہ بات بتائی۔ تو عمر نے ماروی، پالنہ اور کھیت سے معافی مانگ لی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ماروؤں کو ماروی کی پاکدامنی پہ شبہ تھا مگر ماروی چار بار جلتی آگ پر سے ننگے پاؤں گذری تو جب اس پہ کوئی آنچ نہ آئی تب اس کنبے ماروؤں کو اس کی پاک دامنی کا یقین ہو گیا۔ اس طرح ماروی اور کھیت کی شادی ہوئی۔

ماروی

سنڀيم اَڄ سنگهارَ، جن ڏٺي مون ڏينهن ٽيا
سي لُڪَ لنگهي ليهي ويا، پانور منجهه پنَهوار
هٿي ويٺا پَکڙا هُتِ سُکِ ٿي اڄتڙ دار
جن جي ساه سنڀار، سي اَڄ پنهوَارپَري ٿِيا

اڄاڪالهون ڪالهه، هُيَس مارن گڏ ملير ۾
سي ڏينهن ويڙا گذري، ڄڻ منجهه خواب خيال
اڄ پريئن ڪنديئن پکڙا، جوڙي ويٺا جال
جن جي ساه سنڀال، سي اڄ پنهوارَ پري ٿِيا

دیکھے میکے والوں کو، دن گذرے، کر لیں یاد
ٹیلے چیر کے پہنچے ہوں گے جو پانور آباد
جھونپڑے ڈال کے بیٹھے ہوں گے وہ پھوار آزاد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

کل کی بات ہے ماروؤں سنگ ملیر میں تھی آباد
وہ دن یوں گذرے ہیں جیسے خواب کی ہو روداد
بیٹھے ہیں اس پار وہ جھگیاں ڈال کے، ہیں آباد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

ٿيا پنهوارَ پري، آءُ ڪن کي ڏورا پا ڏيان؟
اُنهن پا جهوُن مارُئي، ٿي ميان هت مري
نئين ٿبر ڪري، ڪو اوڏي ابا ٿن کي

جي پڪن پوءِ پيام، سي تا ڏکيا ڏينهڙا
هيئن نه پائڻ ڪا هُيم، تا کي هيئن ڪندام
پر جي ٿر ٿيام، سي سُڌ لهندڙ سومرا

جي لويُن ۾ ڪي لوءِ، ڪڏهن ايندا ها آجڙي
اَڄ هٽي پڪا پا نورين، عُمر وڻا اوءِ
ٿن پنهوارن پوءِ، موٽي اچڻ نه ٿيو

جيڪس سنگهارن، اُهو ڏيهه وٺي ويو
دري هيج ڏرن، جي سانگن ڪو سانگ پيو

جو ڏاڏا ٿو ڏيهه، مونهون مورنه وسري

دور پنھوار ہوئے ہیں کس کو اپنا دُکھ بتلاؤں
ان کی خاطر مارو ی ہیں، یہاں پل پل مرتی جاؤں
لاؤ بلا میرے میکے والے، قبران سے ہنواؤں

بچھڑکے میکے والوں سے آئے دُکھ کے دن ملول
ایسی توقع بھی تو نہ تھی جائیں گے مجھ کو بھول
میری خبر تو لیتے والے، بسے ہیں تھر کی دُھول

لوئیاں لے کر آنے والے وہ میرے چرواہے
عمر وہ جھگیاں ڈال کے مجھ سے کتنی دور ہیں بیٹھے
وہ میرے پنھوار جو اب تک لوٹ کے بھی نہیں آئے

شائد میکے والوں کو وہ دیس گیا ہے بھا
شائد وہ پھر لوٹ آئیں یہاں برسے جب برکھا

بھول نہیں سکتی میں پل بھر اپنا میکا دیس

سوڏاتس لٽ ڏيکا رمُون ، سومرا سانڍيهُ
ري ءَ ٻنهوارن پرڏيهُ ، هي ءُ مڙيوئي پائيان

وس نه وساريام ، سُرها وَڻ سانڍيه جا
اُهي هيڪند ڏينهڙا ، تي گڏ جي گذاريام
ياد ڪيون سي ڪيترو ، سا ڳي سنڀاريام
اوڏنهن آڏاريام ، ڪَل نهَڻ لٺ ڪانگڙا

هيس ڪير مليرم ، هت تي اَيَس ڪير؟
جيڪُس پيڙم پير ، فقط لڳ فِراق جي

ڪاٿي آءُ هُياس ، ڪا ٿي آيَس سومرا؟
هُتان هِلي هِت اچي ، ٻورن مِنجهه پياس
هنجن هابُ ڪِياس ، وڇوڙي جي ڏينهڙي

مون ڪي رَبُ ڏکي ، شل پرديسي سانڻ پناهَ ۾

سومرا مجھ کو دکھلا دے اک بار تو میرا دیس
مجھے پنھواروں بِناں ھوا ہے دیس اپنا پردیس

بھول نہ پاؤں اپنے دیس کے مہکے ہوئے اشجار
اُن سنگ، ان کے سایوں میں اک جیون دیا گذار
یاد کروں بوٹوں کو تو یاد آئیں اپنے سنگھار
ان کی خبر لینے کل کاگا بھیجا ہے اس پار

کیا تھی میں ملیر میں یہاں آ کے بن گئی کیا
ہجر فراق نے کیسا کیسا فرق کیا پیدا

میں تھی کہاں اور اب ہوں کہاں سُن سومرا اے سردار
وہاں سے چل کر یہاں جو آئی دُکھ کی ہے یلغار
ہجر کے دن ہیں اور آنکھوں سے پھوٹ رہی ہے دھار

یارب رکھیو پردہ میرا دیجیئو مجھے پناہ

تہ هئان منجھ پکي ، عُمَر اِبا ڻَن جي

ٻَلَڪ نہ ٿيان پاسي ؛ شل عمر اباڻن ڪڻن؟
گَڏُ گڏين هاسي، سين سان سي سومرا

ڪاڏي آج رهي، آئُ ڪاڏي اباڻان ؟
هاڻي نہ ڄاڻان، تہ ڪا موٽي ملندي مارئن

جهانگيرڙن لَئہ جيءُ ، هِت عمر آهه اُباڻڪي
نئي گڏ ائج اُن سان ، حال منهنجو تا هيءُ
سانگيڙن ۾ سيءُ ،آهه اِيا تو ٽي تانهنجو

پَري ٽين نہ شال ،هُتن اوڏا ٿي اَجَرڙ ي!
اُتي ويٺي اَن جا ؛ اتم خواب خيال
سدا سانگيڙن جي ، مون کي ساه سنڀال
هِت مون هوڙا حال، هُت عتاب اُنهن جا

میکے والوں کی جھگیوں میں عمر بسوں میں جا

عمر نہ بچھڑوں میکے والوں سے میں پل دو پل
سومرا میرے سنگ تھے وہ میں ان کے سنگ تھی کل

آج کہاں پر میں ہوں اور ماروی ہیں آج کہاں
یوں لگتا ہے ان سے ملنا وہم، خیال، گماں

عمر اداس ہوں ان کے لئے جن کا جنگل ہے باس
مجھے ملا دے جا کر ان سے میں ہوں آس نراس
میرے سنگیوں پر ہے آج بھی تیرا خوف ہراس

شالا مجھ سے دور نہ ہوں وہ سدا رہیں مرے پاس
اٹھتے بیٹھتے مجھ کو ان کا خواب خیال قیاس
یاد کروں میں پل پل سانگھیڑے اور بندھاؤں آس
یہاں مرا یہ حال وہاں پر ان کو سو وشواس

عمر آباڻن ري، اَءُ تان ڪو جهي آهيان
هي ءَ لوئي نه لاهيان، جا آهه نِشاني اُن جي

ريگستاني راڄ جي، آءُ ڳالهه ڪريان ڪيهي
ڪن پَچارون پاڻ ۾ ، سي واري ءَ تي ويهي
ته "ايندي ماروئين مارئي، شل پکن ۾ پيهي"
اُڪنڊ مون ميلاپ جي، آهه جهانگن کي جيهي
منهنجي تن تيهي، آهي سڪ سنگهارن جي

جهانگي جهڻ پياڪ، تاهِن شربت هيروان'
ڳاڙهيون ڪاريون لوئيون، پهرڻ تن پوشاڪ
لاهج لوئيڙن تان ، الله لڳِ اولاڪ
جورکن هڏنهن ڪانڪا، عمر ٻي اِملاڪ
ڪارڻ پروردگار ، مون کي ميڙئين مارئين

عمرؔ بناں میکے والوں کے میں بدصورت ہوں
چادر ان کی نشانی ہے سدا اپنے سر پہ رکھوں

ریگستان کے رہنے والے راؔج کی بات بتاؤں
ریت پہ بیٹھ کے جو کرتے ہیں باتیں وہی سناؤں
"اک دن ماروی آ جائے گی واپس اپنے گاؤں
ان جھگیوں میں ماروی اک دن پھر رکھے گی پاؤں"
جتنا ملنے کو میں تڑپوں اس سے سوا انہیں پاؤں

تیرے شربت کو کیا سمجھیں لسّی پینے والے
تن پوشاک ہیں سُرخ اور کالی شالیں اور دوشالے
عمرؔ خدا کا واسطہ ان کے دل سے خوف ہٹا لے
لسّی لوئی کل جاگیر ہے ان کی، بھیڑیں سنبھالے
مجھے ملا دے، رب کا واسطہ، لسّی لوئی والے

ميٺهن وسندي مان ، ويٺر هيچن ويندياس
لوئي سياڳين لوءِ جي ، ٿال وٺي نيندياس
وڃي ٿر ٿيندياس ، ڏک سک ڀائي سومرا

ريگستانن رنگ ، جي تون پسين سومرا
ته ميان مارو ٿرن تون ، ظالم لاهين زنگ
جو تاڪون تهنجي تاب ڪئون ، جهانگي واس جهنگ
ناميا هي تون ننگ ، نيئي رساٽين راڄ ۾

مينهن وسندي مون ڏٺا ، هي پڪا پنهوارن
ڳاڙهيون اڇيون لوئيون ، ڪيا سهج سنگهارن
اُهي عام خلق ڪئون ، تا گوشي گذارن
منهنجي اچڻ سنديون ، تا راتان نهارن
سانگيڙا سائيهه ۾ ، پيا نت سنيارن

ماروؤں سے ملنے جاؤں گی جب ہو گی برسات
لسّی لوئی لے کر ان کے ہاتھ میں دوں گی ہاتھ
سومرا میں مر جاؤں گی مرا دکھ سکھ ان کے ساتھ

سومرا گر تو دیکھ لے ریگستان کے رنگ
ظلم سے روکے ہاتھ تو دل نہ ہو ترا سنگ
ماروتیرے خوف سے جا چھپے ہیں بیلے جھنگ
مجھے حوالے ان کے کر، میں ہوں ان کا ننگ

مینہ برسا تو میں نے دیکھے جھگیوں میں پنھوار
لال اور کالی لوئیوں سے سینگھارے کریں سنگھار
خلق سے ہٹ کر گوشے میں جو جیون دیں گذار
میں کب اُن تک جاتی ہوں میری راہ تکیں ہر بار
نت نت مجھ کو یاد کریں میری خاطر کریں پکار

هي ڳالهيون تيون ڳارن، موں کي مارُوئڙن جون

ڪوجو وريو وائُ، اَج پڻ مُلڪ مَلير ڏنهن
جَنڻُ آيم اَباڻائُ، ماٺهو موتائِڻ جو

لَٿو ٿورڙائو، وديو ورق وصال جو
وري وطن آئيا، ريگ لنگهي راٺو
"سَچُو"چوَ ي سائو، تيو موٽِي مُلڪ مَلير جو

سداهِٿِ سُکيا؛ مارُوئڙا ته مَلير ۾؛
شَلَ نه ڏينهن ڏکيا، اَچن اَجڙين تي

سدا سَرها هونِ؛ مارُوئڙا ته مليرِ ۾
مٿي پنهوارن پون، مِهَر جا شَلَ مِينهڙا

ميان مارُوئَڙن تي، مِهران وسن مِينهَن
شَل نه ڏکيا ڏينهن، اَچن آجَڙين تي!

ماروؤں کی یہی باتیں مجھ کو جان سے گئی ہیں مار

ملک ملیر سے آج تو ایسی ٹھنڈی چلی ہوا
کوئی مجھ کو لینے آیا، میں نے یہ سمجھا

وصل کا آیا باب گیا وہ ہجر سماں دلگیر
اپنے دیس میں مارو آئے ریت کے ٹیلے چیر
سچ کہے سرسبز ہوا ہے پھر سے ملک ملیر

مارو رہیں ملیر میں سدا ملے انہیں سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

مارو رہیں ملیر میں سکھی سدا رہیں
اور پنھواروں پر ہوتی رہیں مہر کی بارشیں۔

برسے میرے ماروؤں پہ بارش کا ہر سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

سداسي ساٿيھ ۾، سُکيا هُئَن سنگهار
پکي مَنجھ پنهوار، سُل هُئَن هميشھ سَرها

سائين سنگهارن جو، رکج پَن پکي
ڪوٺِيي تانھ لَکي، هُئَن سَدائين سَرها

سنگهاري ساٿيھ، سُل هُئَن سَدائين سَرها
وِجَن نہ پرڏيھ، خوش گُذارن اُتهَين

جاتي واري ۽ ڊنُو، تاتي اڌن پکَڙا
پاڳين لَتَاپَو، سدا رهن او سَرها

وري وسايو، مالِڪَ مُلڪ مليرجو
سوا ڳي ڪون اُجرو ٿيو، سائو سَوايو
آڳي اڳهايو، "سچوءَ" جو سوال ڪيو

ايان ڪِنون ڪِنو ٽيُون، تہ سانگين ساھ پوي

میکے والے خوش رہیں اپنے دیس سدا
مارُو اپنی جھگیوں میں سُکھ سے دیں بتا

سائیں میکے والوں کی جھگیوں کی تو لاج
دُکھی ہوں نہ، سُکھ بسیں جب تک تیرا راج

میکے والے خوش رہیں سدا ہی اپنے دیس
خوش گذران سدا ہو ان کی جائیں نہ پردیس

ریت کے ٹیلے جہاں بھی ہوں وہاں بنائیں گھر
پروا ہے سدا خوش رہیں، رہے نہ کوئی ڈر

ملک ملیر میں مالک نے پھر بارش برسائی
پھرا ڈھل گیا دیس کا ہریالی لہرائی
سچ پوری ہو گئی لب پہ دعا جو آئی

بجلی چمک رہی ہے آئی ماروؤں میں بھی جان

وَسي ترتارِ ڪَنَ ، نيَون ۽ نـو ٽِيـونَ
جانبي هُتَن جو ٽيون، تانِ آجڙي آرام ٿيا

مون ڪوَن وِسَرن ڪِينَڪي، اُهي عُمر ويلڙيُون
چاريم وڏي چاهه مون، ٿي ڇيلا ۽ ڇيلڙيُون
ٿي ڪيڏيم ڪيلڙيون ، سرتِن سان سانڍيم

اَوس اڏن سومرا جو ڏادي چوُنرا
تَن ۾ ساڻيي رکن سامهان، ڏِٺ ڀَهون ڏڏنرا
ڏَگَ ڏکي ڏڏنرا ، صبح ڪاٺن خوش ٿِي

ڪَربن ڇو ڪِلان ، سانگيڙن تي سومرا
سارهه سوٽِن تي ، لاهه نو ڪان آئُون ٿهلان
هِي جي موتَن جون مَهلان، تي محلن منجهه گُذاريان

مون جاليوسان جَن ، موتِي تن نه پُڇيو .

بھر جاتے ہیں تال تلیا مینہ برسے جس آن
دیکھ کے پانی ڈیرے ڈالیں مارو میری جان

عمر بھلا دوں کیسے میں سماں جو بیت گیا
گلہ بھیڑوں بکریوں کا میرے آگے تھا
میں سکھیوں سنگ کھیلتی رہتی تھی سدا

وہ بنائیں جھونپڑے سومرا اے سردار
جنگلی پھل پنیر سنبھال کے رکھیں وہ ہر بار
صبح سویرے کھائیں گے خوش ہو ہو پنھوار

میرے سانگھیڑوں کو سومرا طعنے کیوں دیں لوگ
کر آزاد مجھے مٹ جائیں ان کے سارے روگ
تیرے محل میں موتیوں سے پل میں نے کاٹے جوگ

جن سنگ جیون میں نے بتایا پوچھیں نہ میری بات

خال ھن جون خيران، پيرن ھوندين ڪنَ
تان پيي مارو مَن، وارُ نه ڪنڌ نھن وِسريا

توڙي ھو نه پُڄن، آءٌ گھٽو پُڄان تن کي
عُمَر آءٌ مڃُڻ، تن ڪَوُن وڃان وسري

اڄ سنگھاري ساريا، مون مِينھَن وسندي سومرا
ڳوڙھا ڳاٽانِّي ٻنا، ھنِ ھَنجُن مون ھاريا
ياد ڪريندي تن کي، يارڻ ڄَٽڻُ ٻاديا
ھِت "سَچوءَ" سَنياريا، ھُت سنيار "سَچوءَ" جي

عُمَر اَڄا ڪيُڙا ڪاٽياريُون ڪَن ڪِيئَن؟
جھِڙي آيسَ جيئَن، شل تِھڙي مارُن ڏي وڃان!

ڪِيئَن ڪاٽياريون ڪن، ڪيڙا اڄا عُمَر ڄامَ؟
ٿيُن پنھواريون پَٽ ۾، مِھٽي ھاب مُدامَ

خبر انہیں بھی ہو گی جو کچھ بیتی ہے مرے ساتھ
اک پل میں تو بھول نہ پاؤں ماروؤں کے حالات

بے شک میری بات نہ پوچھیں، میں پوچھوں ہر پل
عمرؔ نہ دن آئے ہو جائیں آنکھ سے وہ اوجھل

دیکھ برستی برکھا کو مجھے مارو آ گئے یاد
ہار پروؤں اشکوں کے سُن اشکوں کی فریاد
آگ سی من میں بھڑک اٹھی جب آئی اُن کی یاد
سچو ان کو یاد کرے وہ کریں سچو کو یاد

اُجلے کپڑے ان کے کب ہوں جن کے عیب ہزار
عمرؔ میں آئی جیسی، ویسی جاؤں ان کے دوار

عمرؔ نہ اُجلے کپڑے پہنیں جن کے عیب ہزار
ماروؤں کو میری خاطر طعنے دیتا ہے سنسار

آهيان سومرا تو سام. تہ لوئيءَ جي لڄ رهي

هِن لوئيءَ جي لاڄ، شال رهجي اُڃي سومرا
تہ مر ٻَنڌي خوش ٿيان، ريگستاني راڄَ
ساڻہ ڪائي ڪاڄ، جا قيد ڪئي تو ڪوٽَ ۾

روئان زارو زار، يار، مان مارُن کي ملان آءٌ
ڏيان ڏورايا ڪن کي، پَري ٿِيم پنوهارَ، يار
وڃي ويٺا پاڻ سان، منهنجو ساهُ سَنگهار، يار
اهو اٿم آسرو، ايندم اَڃڙوار، يار
ڪُندا مُهڙ مَليرڏي، رڻ چڙي ريدار، يار
سودم گوندر گذري، جودم اُن ري ٿَڏار، يار
پيڪن مُون پَهچايئين، سومرا سردار، يار
راتو ڏينهان اوڏهين، "سچوءَ" ساهَ سنڀار، يار

میں ہوں امانت، لاج لوئی کی رکھنا اے سردار

سومرا رہ جائے، رب چاہے، اس لوئی کی لاج
یہ سن کر کتنے خوش ہوں گے ریگستانی راج
تیری قید میں شاہی کھانا، کھایا کل نہ آج

روئی زار و زار، ملیں میرے مارو یار ہو یار

دکھڑا کیسے سناؤں میں دور ہیں میرے پنھوار ہو یار
اپنی جان کے ساتھ ہیں جو ہیں مرا سنگھار ہو یار
آئیں گے، مجھے آس ہے، میرے پہریدار ہو یار۔
پلٹیں گے وہ ملیر کو، چھوڑ کے وحشت زار ہو یار
مارو بناں ہر سانس مری سانس ہے یا تلوار ہو یار
میکے کو بھجوا دے سومرا اے مرے سردار ہو یار
سیجو کو دن رات ہے ان کی سانجھ سنبھار ہو یار

اوڏاهون آيا، مون ڏي عتاب، اَباڻن جا
هي ڏيهه ويڙهه وسري، اِتي ڏينهن وجهي تولايا
ياداسان کي ڪين ڪيڙيي، مُنجهائين ءَمايا
ڏينهن اسان ري ءَ گذري، ويڙهيُ سب آجايا
گهڻا مينهن مَلير ڏي، والي ءَ وري وسايا
تُنهنجي ڏس لئه، هِت سانگي سِڪايا
سائين ءَ "سچو" سِگهڙا، مون کي مار دملايا

ڪانگڙا قَرِيَبن جا، توکي ڪالهه اُڏايو ڪَن
وَتَنُ ون ويڙهيچن
آسردندي آهيان، مَن ڪو پيرو ڪَن
وَتَنُ ون ويڙهيچن
پَکا پَکن سامُهون، اوڏامان اُڏَن
وَتَنُون ويڙهيچن
"سَچو ءَ" جي ٻه سَريرَم، دونهان روز دکَن
وَتَنُون ويڙهيچن

میکے والوں سے آیا، مجھے غصہ بھرا سندیس
کتنے جگ تجھے بیت گئے وہاں، اپنا دیس بھلایا
ہمیں نہ تو نے یاد کیا، مایا نے تجھے اُلجھایا
ہم سے دُور جو گذرے ہیں دن ہوئے وہ تیرے ضائع
رب نے آن ملیر پہ دیکھو کیسا مینہ برسایا
اس برکھا نے ماڑوں کو کس کس ڈھب سے ترسایا
سائیں سچو نے کرم کیا، مجھے مارو آن ملایا

اے کاگا رے ساجن کے، کل کس نے تجھے اڑایا
مارو دیس سے آیا
آس لگائے بیٹھی ہوں، ابھی آیا، کوئی آیا
مارو دیس سے آیا
آئے بنائے کُٹیا سامنے، میرے دیس کا جایا
مارو دیس سے آیا
سچو تیرے سر پہ سے اُٹھ کر دھوآں سا جو لہرایا
مارو دیس سے آیا

. . میرلور یا تھیلو پرگنہ میں راجہ نند کی سات بیٹیاں تھیں سب سے بڑی سومل اور سب سے چھوٹی مومل۔ سومل سب سے عقلمند اور مومل سب سے خوبصورت، راجہ نند نے ایک قیمتی اور طلسمی ہار مومل کو سنبھالنے کے لئے دیا مگر اس نے ہار ایک جادوگر سنبل کو جو جوگی بن کر آیا تھا دان دے دیا۔ جادوگر نے اس ہار کی مدد سے راجہ نند کا خزانہ اڑا لیا۔ راجہ سخت پریشان ہوا۔ سومل نے باپ کو تسلی دی اور مومل کے شہرۂ آفاق حسن سے فائدہ اُٹھانے کا مشورہ دیا اور کاک ندی کے کنارے ایک طلسماتی محل بنایا۔ سب ولایتوں کو کہلا بھیجا کہ جو راجہ محل میں مومل تک پہنچ جائے گا اس سے شادی کرے گا اور جو نہیں پہنچے گا وہ اپنا سارا خزانہ محل والوں کے حوالے کر دے گا۔ بے شمار شہزادوں نے قسمت آزمائی ناکام ہوئے کچھ مارے گئے کچھ جوگی ہو کر جنگلوں میں بھٹکتے رہے ایک ایسا ہی جوگی عمرکوٹ کے سومرو حاکم ہمیر (تحفۃ الاکرام کے مطابق وفات ۸۴۳ھ) کو ملا جو اپنے وزیروں رانو، جیندھرا ڈنورا اور سنھڑو کے ساتھ شیر کا شکار کرنے نکلا تھا۔ ہمیر کو مومل حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔ چاروں کاک محل پہنچے۔ ہمیر، ڈنورا اور سنھڑو ناکام رہے رانو کاک محل کی بھول بھلیاں خوفزدہ کرنے والے طلسم اور عقل کے داؤ پیچ سے گذر کر مومل کو پانے میں کامیاب ہوگیا۔ واپس ہوا تو ہمیر حسد سے جل گیا مگر راجہ کے ڈر کے باعث رانو نے کہا وہ کامیاب نہیں ہوا وہ واپس عمرکوٹ چلے گئے مگر رانو اداس رہنے لگا۔ راجہ ہمیر کو بھی پتہ چل گیا کہ رانو نے جھوٹ بولا ہے بہرحال جب رانو نے اصرار کیا تو ہمیر نے مومل کو دیکھنے کی خواہش کی اور رانو کے ساتھ چرواہے کے روپ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا کاک محل پہنچا تو اسے مجبوراً گائے دوہنی پڑی واپسی پر ناراض ہو کر رانو کو قید کر لیا جسے اس کی بہن کھلن نے جو ہمیر کی چہیتی رانی تھی آزاد کرایا۔ اب رانو نے ایک ایسے اونٹ کا انتظام کیا جو عمرکوٹ سے ایک رات میں کاک محل جا کر صبح تک واپس آ سکتا تھا۔ سو کوس کا یہ فاصلہ رانو ہر رات طے کرنے لگا مگر راجہ ہمیر کو پتہ چل گیا اس نے اونٹ مروا دیا۔ رانو کو اسی نسل کا ایک اور اونٹ مل گیا۔ راجہ ہمیر کے علاوہ مومل کی بڑی بہن سومل کو بھی رانو اور مومل کی شادی پسند نہ تھی چنانچہ اس نے ایک روز ایک چرواہے کو تیار کیا جس نے رات کے وقت آتے رانو سے طنزاً کہا کہ مومل سیتل جادوگر سے عشق کرتی ہے جو آج رات آیا ہوا ہے۔ سومل اس رات مردانہ لباس پہن کر مومل کے ساتھ لیٹ گئی۔ رانو نے یہ منظر دیکھا تو اسے چوٹ بٹھانے پڑا اعتبار آ گیا وہ مومل کے پاس اپنی نشانی چھوڑ کر عمرکوٹ واپس چلا گیا، مومل جوگن بن کر عمرکوٹ میں رانو کے محل کے سامنے رہنے لگی۔ جب رانو کو پتہ چلا تو اس نے اب بھی مومل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مومل نے چتا جلائی رانو کو یقین ہوگیا کہ مومل بے گناہ ہے مگر جب وہ مومل کے پاس پہنچا تو مومل آگ میں کود چکی تھی، رانو بھی بے خطر اس آگ میں کود پڑا شمع محبت کے دونوں پروانوں کا یہ انجام تھا۔

مومل رانو

آءُ راڻا ڏي رَنگُ، مومِلَ ڪاڪ ڪَنڌَن ڪِي
لاهِج لَڳهِ خداءِ جي، ذرو پُرذو زنگُ
ناميان پاڙج ننگُ، مهِڙي هاب مستان ڪَرِين

مومَل مهِڙي هابُ، راڻا ڪرنه راءَ توُن
جوئِين ڪي جوابُ، مرد نه ڏين ميندَرا

هِڪُ جُوءِ ٻِي جوءِ، ڇَڏن ڪِين جوان
اُهي پي انسان، جي ننگن تي نِثارُ ٿيا

ڪا ٿي ءَ ري ءَ ڪُهي ڇڏيو، راڻا توهنجي رَنجَ
سُڪون ۽ سَهنج، سوڍا ساڻُ ڪُٺين وٺين

آ راناؔ آ کاگ کنارے اپنے رنگ میں رنگ
نام خدا اس من سے دھو دے جو ہے اس پر زنگ
مت دلوانا طعنے مجھ کو رکھنا نام اور ننگ

راؤ اپنی مومل کو تو طعنے نہ دلوانا
مرد نہیں جو چھوڑ کے جائے اپنی بیوی راناؔ

زن، زمین نہ چھوڑ کے جائیں مرد ہیں جو جی دار
اِک وہ تھے جو اپنے ننگ و نام پہ ہوئے نثار

ترے رنج نے چھری بناں مجھے کیسا رکھ دیا کاٹ
راناؔ، میری خوشیاں لے کر گیا ہے تو کس گھاٹ

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، ويا اڏوڻ ڏند
وڃي رسيا اُن هنڌ، جت ”مون تون“ آهي ڪانڪا

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، وڏي ڏوريل ڏِيا
لُڏاڻون لنگهي ڪري، ڪنهن پرٿين پنڌ پيا
اُتي ٿاڪ ٿيا، جتي ”مون تون“ هُڏنهن ناهه ڪا

لنگهيا لُڏاڻو، اُتون ڪاڪ ڇڏيائون پوءِ ٿي
تاتي وڃي رسيا، جا تي مومل نه راڻو
نڪا مسجد تڪيو، اُت نڪو ٽڪاڻو
تاتي ٿيون ٿاڻو، جتي ”مون تون“ ناهِ ڪا

ڪاڪ لُڏاڻو لنگهيا، اَڄ لاهو تِي لال،
اوري هنڌ نه اُتڪيا، ٿيا پرٿين خيال،
ڏدون ڏيهي هليا، جن کي حد ڏيجا ڻي حال،

جوگی پوچھتے کاک کا پہنچے ہیں اُس جا
جا پہنچے جہاں "میں" "تو" میں سے کوئی وہاں نہ تھا

جوگی پوچھتے کاک کا نکلے صبح سویر
پار لنڈآنہ کر گئے ذرا بھی کی نہ دیر
وہاں پہ "میں تو" کوئی نہیں تھے، دیکھو تو اندھیر

کاک کو پیچھے چھوڑ کے گذرے شہر لنڈآنہ
وہ پہنچے جہاں موکل ملی، نہ ان کو ملا ہے رآنا
وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ مندر کوئی ٹھکانہ
"میں تو" وہاں پہ کوئی نہیں تھے، ختم تھا یہ افسانہ

پار لنڈآنہ کر گئے وہ لاہوتی لال
رُکے نہیں وہ پل بھر کو پار کا انہیں خیال
حد سے بے حد میں پہنچے اور بھولے اپنا حال

تَن سُرت نه ڪا سُنيال، رچي ديجها ٿيا وصال ڪي

جوڳي آهن جي، ڳُرش ڳنگا ڏي تَن جو
آهن ڪو ڏياڪاتَ جا، پُڻ ڪا پڙي ڪي
سِر سَنبا هِن سي، جنين ناٿو ناٿ سان

جوڳي جال ٻُجَهن، پرڪو نه لهان ڪو ڪاپڙي،
تن ڳُسَن پيرين جيون ڳالهڙيون، تيونُ سڄل ساهُ سُجهَن
لوڪ نه پيئي لُجهن، ٻگر نالي ناٿ جي

جوڳي آهن جال، پرلاهو ٽِپي لنگهي ويا
هي مِڻ مِڻ ڪن مَٽين سين، هو ڪتڙا مٽي خيال
سي لانگوٽيا لال، پيٽَر پاڳِ مِلن مُون

جوڳِن آهه نه جنگَ، هِن سُلوڪي سپَ سان
جيجان هن جهان ۾، هِن طُريلا تَنگِ

تن من بھولے تب ملا ان کو وصل وصال

کچھ جوگی ہیں ان کے دھیان میں ہر دم گنگا جل
کچھ جوگی تلوار سے سر کا سودا کریں سپھل
ناتھ سے ان کا ناطہ ہے جو ٹوٹے نہ کسی پل

کتنے جوگی دیکھے ہیں پر ملا نہ اِک گنوان
جس کی باتیں سچّل کی سانسوں میں بسی ہیں آن
ہر دم ناتھ کا نام ہی ان کے وردِ زبان

کتنے جوگی دیکھے پر لاہوتی پہنچے پار
ان کی من من منکوں پر، اُن تن لنگوٹی دھار
دھن بھاگ ہمارے ہیں جو مل جائیں ایسے یار

جوگی پیار کریں سب سے نہیں ان کی کسی سے جنگ
سر پر چیرا ٹیڑھا ہے ہیں بانکے ان کے ڈھنگ

ڪنهن جي رتا رنگ، ماڻڪ مُنهن مشعلان

پُورب پنڌُ نه آهه، ڪڏهن ڪاپڙين کي
چت ماڻهن ميڙا ڪو ٿئي، سا جُوڳين جوڳن جاءِ
ساميءَ سِر سَواءِ، سودو ڪن نه ڪو ٻيو

جاڏي پُورب پنڌُ، تاڏي آڻُ نه وڃڻو
هي هِنن جو هنڌُ، منهنجو هنڌُ هِنگلاج ۾

پُورب پُڇيا ٿون، پرپيرُ ڏکيا ٿون پرنان
اوريان پرِيان پنڌڙا، سي لس لنگهيا ٿون
اِئين اُتيا ٿون ته گُسُ اسين نه گڏيا

منهنجو سو ڏِل سارئي ساهُ وو رانا رُساهَن سان مارِئي
ديئي ڪڙهان ڪاڪِ تِي، آئينده ويءِ الله
هِن مُنئي ڏجو ميندڙا، تو کي ڪيهو پرواهُ

منہ مشعل ہیں ان کو کسی نے رنگا ہے اپنے رنگ

پورب جاتا راستہ ان کو نہیں کٹھن
جوگی وہاں ملیں جس دوارے لوگ سبھن
سودا کریں وہ سیس کا جوگی صاحبِ فن

پورب ڈگر نہ جاؤں میں یہ تو ان کی راہ
میں ہنگلاج کو چلتا ہوں وہ میری خنقاہ

پوچھیں خبریں پورب کی پر پاؤں وہاں سے آگے
سارے گھاٹ ہی گھوم گئے کیا پیچھے کیا آگے
گورو کہیں وہ ملا نہیں ہم چاروں اور ہی بھاگے

ہر سانس میں تیری چاہ رے داتا مجھ کو لوٹا مارا
تڑپوں کاک ندی کے کنارے لائے تجھے اللہ
مینڈھرا مجھ بے چارے کی تجھے کون سی ہے پروا

سندوا ڇَڻُ تانهنجي، روز نهاريان راهُ
گهڙي اوهان جي ٿي گهُران، پت آرهان جو چاهُ
مهر مَٺو تو ناهِ ڪو، جيڪُس منهنجو بخت سياهُ

پٺي پيش پرين ءَ کي پاڻ، آءُ چوندس هلي حالُ هي
تو توڻ آهي ميندرا، ڪاڪ ساري قربان
دل کي ديوانو ڪيو، ڀڳڻ تنهنجي ڀاڻ
ناميان ڏسج ننگ ڏي، آءُ تا ٿيس اُجاڻ
آندم هيٺ عتاب جي، مون کي پنهنجي ءَ ڄاڻ
"سچوءَ" سندي ساهه کي، تانگها ايڏا اِهين تاڻ

اڙي جيڏيون منهنجو جيئڙو، ويو سڄڻ وٽ جي
ڇُرخي مُنا تاڙيون، پيئر سيڪا ٿي پيچي
دردمندي ءَ جي دل اهائي، مت نه ڪنهن جي ميچي

یہ میری تقدیر ہے دیکھوں نت نت تیری راہ
دھیان میں تیرا وصل ہے چاہوں بس اک پل تیری چاہ
انت نہیں تیری مہر کا پر میرے ہیں بخت سیاہ

حال کروں گی بیان میں جا کر اپنے پریتم پاس
میندھرا تجھ پر کاک محل کی اک اک شے قربان
دل دیوانہ میرا کر گیا تیری نظر کا بان
تو ہی یہاں لج پال ہے میرا میں تو ہوں انجان
میرا دوش تو اتنا ہے لیا میں نے سب کچھ جان
سچو ہر دم دل میں گونجے تیری یاد کی تان

سکھیو! میرا جی تو لئے جاتا ہے۔ ساجن میرا
توڑ دے اپنا اپنا چرخہ میری ہر سکھی
درد سے گھائل دل نہ مانے بات کسی کی بھی

طرز تُنهنجي يار "سَچُو" ري سوز نه پنهنجڙ سَچي

اَڙي اَلو اَلو ، رانوَل آيو راڄ ۾
ديڙ اسور سندو ڪري اَڄ پيِر تيڙ ۾ پَلو
جنهن ساعت گڏيا سُپرين، ساساعت ڪنهن نه سَلو
ڳالهه نه ڪريو ڪا ٻي ، هاريون اَوهين هَلو
ڏهاڙي ڏسڻ ڪوَن ، وارُ نه پوندو وَلو
اَصل اَهي اُنهن سان ، روح منهنجي جو رَلو
"سچو" گڏيو سَجڻن ، ڪرن لَڳو ڪلو

ماري ويو ڪالهه رات ، سونهن پريو سوتا سامِيَڙو
راتو ڏينهان روح کي ، طَلب تَنهن جي تات
ڪين سُڃاتم سرتيون ، تا ڪهڙي آهي ذات
سوز نه جهلڻ جهڙو ، هاريون ڙي هيهات

یار تجھ کو کھینچ رہی ہے پل پل چاہ تری

سکھیو سہیلیو رانول دیس میں آیا
کرم ہوا ہے مجھ پر باقی رہا نہ دکھڑا کو
جس ساعت تجھے ملے گا ساجن اس کا پتہ نہ دو
چلو کہ چل کر اس سے مل لیں کوئی نہ بات کرو
اس دلبر کی دید سے پیارے پیار بھی دونا ہو
روزِ ازل سے میرا اس کا روح کا رشتہ ہو
آن ملا محبوب سجن سے، بیری کو دکھ ہو

مار گیا کل رات سوہیڑا حسن کا وہ شہکار
میری روح کو تیری طلب ہے کیا دن ہے کیا رات
میں نہ سکھیو جان سکی کس زور کی تھی وہ ذات
سہہ نہ سکوں جو دے کے گیا ہے درد کی وہ سوغات

اَنڌيءِ پهر تنهن جي وا ٽِي، ”سَچوءَ“ ڪي آهي وات

جوهوم ورونهن وارو، جيجان ڳَذيم سوناجو ڳيڙو
اڳين ءَ پو ئين ءَ ڳالهه جو، خيال سُليائين سارو
سُورن جي سوغات سان ـ آيـو اوڏنهن وڻجارو
پسڻ سان پيـدا ٿيـو ، سيني مَنجهه ستارو
صورت تنهن جي سڦـري، مَشعل مُنهن موچارو
جُتِي ويٺو جان ۾ ، برهه اُنهيءَ جـو بارو
آهي ”سچوءَ“ جو سرتيون، اِهو اکين جو اُجارو

نام سیجو کے ہونٹوں پر ہے اس کا ہی دن رات

میاری، مل گیا دُلارا جوگی ہنس ہنس بولے
اگلی پچھلی باتیں کیں اور راز بتایا سارا
دکھ کی لے سوغات وہاں سے آیا ہے بنجارہ
اس کو دیکھا تو چمکا ہے سینے میں اک تارہ
صورت حُسنِ مجسّم ہے منہ مشعل سا اجیارا
جڑ گیا میرے دل میں اپنے ہجر کا روشن تارہ
سکھیو! سیجو کی آنکھوں کا جوگی ہے اجیارا

بیت روجھے

روجهون رڻُ ياد ڪيون، اُپيون رتَ رتَن
هرڪنهن ديل هُٽن، اِهڙن اوراڻن ۾

روجهون رڻُ ڦِٽو ڪري، لاهِ لهي آيون
ٿين تار نه ترايون، جو مُند نه اُنَ مِيٺڙا

هنيڙو ڇڏي هُت، ٿيون روا نيون روجهون
ڏکيا اوسر ڏينهڙا، ٿيون گذارن هِت
آنئي پهر چِت، وطن تن نه وسري

ماٿرَ مينهن پيان، روجهان موٽي آئيون

روجھوں نے صحرا کی یاد میں خون کے اشک بہائے
ہر پل ان کو اپنے ریگستان کی یاد ستائے

روجھیں میدانوں کی خاطر چھوڑ پہاڑ گئیں
تال بھرے نہیں پانی سے اور برکھا ہوئی نہیں

من کو چھوڑ یہاں پر آخر روجھیں ہوئیں روانہ
دکھ کے دن تھے ان کے، پل پل ان کو تھا غم کھانا
آٹھ پہر مشکل تھا چت سے اپنا دیس بھلانا

وادی وادی بارش برسی اور روجھیں لوٹ آئیں

اُڏسَر سَنداڏينهڙ، رسري سپ ويان
تاٿا تر ٿيان، ڦٽيون ڦوڙيون ڳڏيون

جڏهن ٿيا اَبر، تڏهن روجھُن ڳاٽ مٿي ڪيا
موليٖ وچڙيون ميڙيون، جن تيٖ ڳذاريا اڏسَر
ٻهاڙي ءَ جي ٻاند ۾، ڳڏجي ڪَن ڳُذر
ٿيون سيٿيءَ سَر، لنگھيَن ڏکيا ڏينهڙا

آسرو ٻند آهين، روجھون راٿيون رڻ ۾
اُٺيون ٻيون اَيءَ ڏي، ٿيو واٽڙيون واجھائين
رڙيون ڪيو رڻ ۾، ٿيون ٻُوڻدون برسائين
تنهن ڪُنڊ ٿيون ڪاهين، جنهن ڪُنڊ وسَن مينهڙا

روجھُن زارو زار، اُبيي رنو رڻ ۾
رڙيون سُٺي رُليَن جون، سعيو ڪيو سٽارُ

دکھ کے سارے دن بیتے وہ تھر کو لوٹ گیئں
کیسے خوش ہو کر سکھیاں سکھیوں سے آن ملیں

روجھوں نے آکاش کو دیکھا جب بادل تھا چھایا
دکھ کے دن بیتے، مولیٰ نے بچھڑوں سنگ ملایا
کوہ کے دامن میں خوش رہنے کا موسم ہے آیا
تال بھرے پانی سے، دکھ کے دنوں کا ہوا صفایا

روجھیں ریگستانوں میں ہیں من میں آس لگائے
پل پل نیلا انبر دیکھیں آس نراس کے سائے
چیخ رہی ہیں، ان کی آنکھوں سے جل بہتا جائے
جس جانب مینہ برس رہا ہے پاؤں ادھر کو جائے

ریگستان میں روجھیں روئیں، روئیں زار قطار
آہ و زاری من کے سایہ کرتا ہے ستار

ساري سازسُرودَ سان، سارنگ لَدّين سارَ
روجهن سانْ رهانْ لئہ، کِنوٽين ڪٽي ڪيڪارَ
ٿهي هليون ٿيلن تي، سُٽي گوڙ گجڪارَ
وسي وس وڏي ڪئي، وسَڻ جي وسڪارَ
تانگهيون تارُون تارٿيون، ترايون تلهارَ
سَچي لَدَڙي سارَ، سِگهي تن سڪ وارئين

"منداڻتا موٽيا" روڻي پيُون رڃُهون
"ڪمينيون ڪوجهيون، قادرَ تنهنجيون آهيون!

سارنگ نے بھی ساز سنبھالے سن کے ان کی پکار
روجھوں نے بھی ہنس ہنس دیکھی بجلی کی چمکار
چڑھ کر ٹیلوں پر سنتی ہیں بادل کی گجکار
بڑی بڑی بوندیں ہیں برسنے کو اب تو تیار
تال تلیاں بھر گئیں پل میں بارش موسلادھار
سچو روجھیں پیاسی تھیں انہیں مار گیا ہے پیار

موسموں پر لوٹ آنے والی روجھیں کہیں یہ رو
ہم ہیں کمینی، ہم بدصورت، رہی ہیں تیری ہو

بیت سارنگ

مِهرَ سندا مينهن، شاهه وسائين سَّل!
جُهريَل منهنجي جهُو پٽڙي، بنا جهَلي جهَل،
ڪاهِل تي ڪهَل، ڪندين سائل ڪريم تون

سارنگ رنگ ڪيا، پوياڙي ءَ پٽن تي
ٻَڪرَ ٻا ٻاڻن ڀا، ٻيلرَ پسي ڍيا
ڏيهان ڏرت ديا، مولي سندي ءَ مِهرَسان

اَڄ پڻ پُورَب پار ڏي، ڪَڪرَ ڪُڪوريا
سارنگ سُرَ سُرا ئتا، سا جهُري سوريا

شاہا بادل مہر کے تُو مجھ پہ سدا برسا
مانگے تیرا آسرا میرا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا
مجھ کابل پر رحم کر تُو اے کریم خدا

میدانوں میں پچھلی رات کو سارنگ نے چھب دکھلائی
بکریاں میرے بابا کی خوش ہوئی ہیں پانی پی
قحط کٹا اور مہر مولا کی دیس پہ ہے برسی

پورب میں نکھرے نکھرے ابھرے ہیں بادل
سارنگ نے سُر چھیڑے ہیں میٹھے سُر پل پل

سُرمنڊل ۽ سارنگيون، چنگ چڱا چوريا
آيُ اُتي اوريا، طبل تارون تيج سان

وسي پيو وڏ ڦڙو؛ پنيون پيٽ پريون
پتاريون پٽن تان، وٺا ٺين وريون
ڪيرن جون ڪريون، ڇاڏيين ڏٿون ڇاه مان

واليءَ وسائيج، دردمندي ءَ جو ديس
پرين مون پرديس، اُتي ايندم اوڏڙا

والي وري تون، وطن تي وس ڪرين
ميهن وسندي مون، سڄڻ ساريم سُپرين

سارنگ سعيءَ م آتي، "سچل" سستي ڇڏ
متان ايندءِ او چتو، هاڻ نه مُڙندءِ هڏ
آجهاپي ڪاڏ، وسڻ ڪان اڳي وڃي

چنگ بجیں سارنگیاں ساتھ ہیں سُر منڈل
طبل بجیں آکاش میں گونج رہا ہے جل

ٹیلے بھیگے ریت کے برکھا برسی آن
بھنبیں ٹیلوں سے پلٹیں آئی ہیں استھان
بھر بھر مٹکے دودھ کے دیتی ہیں وہ دان

دردمندی کے دیس پر مولیٰ بارش بھیج
پریتم ہے پردیس میں آئے اپنی سیج

میرے وطن پر والیا تو بارش برسا
مینہ برسا تو ساجن کو میں نے یاد کیا

سچل سارنگ آگیا تو بھی سُستی چھوڑ
اک دم برکھا برسے گی آ جائے گا موڑ
مہلت ملے گی پھر کہاں ابھی سے چھپر جوڑ

سارنگ ساري رات، رڻن متي ريج ڪيا
پکن پرڙا سوڙهيا، پرڦٽي ۾ پرڀات
پٽن تي ٻڌرائيا، ڪلُ ڦل ٻياتون ٻات
واڙي سيڪنهن وات "سچل" سارنگ سانڻ جي

سارنگ صبح آئيو: گوڙيون ڪري ڳاج
هاري هليا هاج. ڪُڙ مين هر ڪُلهي ڪيا

اکين آب وهائيو، سرتيون ساري رات
وهائن وڏ ڦڙو. ٻرچن ناپرڀات
پيرڪان برسات: اکين ارڻ سکيو

هڪ وسڻ پيو وڄڻ. تيون لڳي پيو سري ۾
جهوري وڏ ئين جهوپيون، ڇن وڏائين ڇڄي ۾
رڻن جو رڻن ۾. واه وسيلو ٿي ۾

ریگستان پہ برسا ہے سارنگ ساری رات
اُڑے پکھیرو جھوم کے ہوئی ہے جب پربھات
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں ہر ڈالی ہر پات
سچل سب کے ہونٹوں پہ ہے بس سارنگ کی بات

سارنگ صبح سویرے لایا گونج گرج ہلچل
نکلے ہاری کام کو رکھ کاندھوں پہ ہل

آنکھوں نے پانی برسایا سکھیو ساری رات
موٹی بوندیں برس پڑیں جب آئی ہے پربھات
آنکھوں کو سکھلا گئی ہر دم رونا رُت برسات

اک برسے اک کڑکے بادل تبھی سردی آئی
جُھگی ہر غریب کی دیکھو ڈر ڈر کے تھرائی
بیواؤں کی جان پہ یہ کیا ہے مصیبت آئی

ڇال ٻنهين جو هي ڏُ . تَن پِ ورڪ پناهم

اَدل آندي آئي، پويان جُهڙ جهَجهو
نڪو اولو آسرو . نڪو اوت اَجهو
ڏهيائين ڏجهو . تن پر ورڪ پنَاهم

سڄل سائيَ سنڌ جي، وري ورتائون وات
جُهڙ ڦڙ جهُلي آئي، جهنڪو ڏيئي ڏات
ڏسي پيا وڏ ڦڙا، گهيڙ پُسائيَ گهات
لاٿي اُڃ اُسات ؛ سارن سنگهارن جي

لے لے انہیں پناہ میں رکھ ان پہ ہاتھ خدائی

پہلے آندھی اس پر آیا بارش کا طوفان
آسرا ان کا کوئی نہیں ہے نہ چھپر نہ مکان
یہ بد قسمت ان کو دینا اپنی پناہ امان

چلے ہیں بادل سندھ کو جو ہے شاد آباد
سچل بارش تیز ہوئی برکھا ہوئی زیاد
بارش موسلادھار تھی گھاٹ ہوئے دلشاد
میرے میکے والوں نے پیاس کی دی ہے داد

سندھی میں رانجھا کو رانجھو یا رانجن کہا جاتا ہے۔ رانجھا تخت ہزارہ (ضلع سرگودھا) کے زمیندار کا بیٹا باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں کے سلوک سے تنگ آ گیا، بھابیوں نے طنزاً کہا کہ کیا وہ ہیر سیال بیاہ کر لائے گا۔ ہیر جھنگ کے سیالوں کے سردار چوچک کی بیٹی تھی اور اس کے حسن کا بڑا شہرہ تھا۔ رانجھا تخت ہزارہ چھوڑ کر جھنگ سیانہ کو چلا۔ دریائے چناب کو عبور کیا اور ہیر کے باپ کے پاس مویشیوں کے گلے کا نگہبان مقرر ہوا، پھر عشق کی آگ نے دونوں ہیر اور رانجھے کو گھیرے میں لے لیا۔ تپش دور تک پہنچی، ہیر کے معذور، مفت خورد اور بزعم خود اخلاق کے علمبردار چچا کیدو نے حکایت عام کر دی، بھائی سے ہیر کو بیاہنے کے لئے کہا۔ رانجھے کو نکالا گیا تو ہیر کے باپ کے مویشیوں کا گلہ بھی بگڑ گیا۔ مجبوراً اسے واپس بلایا گیا۔ دوسری طرف ہیر کی منگنی رنگپور کھیڑا (ضلع مظفر گڑھ) کے سیدا کھیڑا سے کر دی اور پھر ہیر کو اس کی مرضی کے سراسر خلاف زبردستی سیدا سے بیاہ دیا گیا۔ رانجھا ٹلہ بالناتھ (ضلع جہلم) پہ جا کر جوگی ہوا۔ جوگی کے روپ میں رنگ پور پہنچا۔ ہیر کی نند سہتی کے ذریعے ہیر تک رسائی حاصل کی اور آخر رنگ پور سے نکل پڑے۔ مگر کھیڑوں نے تعاقب کیا، پکڑے گئے راجہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ راجہ نے دونوں کو جدا کرنا چاہا، ہیر کھیڑوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ دیا مگر اس ناانصافی پر اس کے شہر میں آگ لگ گئی، راجہ نے یہ دیکھ کر فیصلہ بدلا اور ہیر رانجھے کے حوالے کر دی، سیال ہیر رانجھا دونوں کو جھنگ لے آئے۔ رانجھے سے کہا کہ وہ تخت ہزارے جا کر باقاعدہ دولہا بنے ، بارات لائے ہیر اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی۔ رانجھا فریب میں آ گیا، سیالوں نے ہیر کو زہر دے کر مارا اور شہر کے باہر دفن کر دیا۔ رانجھے کو علم ہوا تو وہ محبوب کی قبر پر پہنچا۔ قبر شق ہوئی اور رانجھا بھی اس میں سما گیا، دونوں کا مزار آج بھی جھنگ کے قبرستان میں اپنی منفرد طرز تعمیر کے باعث قابلِ دید ہے۔

ہیر رانجھو

حاڪم تخت هزار جو، قسمت ڪيو ڪنگال
مسڪيني ۾ جو مرد ڪي، خطرو نه ڪو خيال
محبت مستانو ڪري، هيڙو ڪيڙس حال
پُڄي جهنگ سيال، ڇڏ نه تخت هزار جي

شاهي هيم شان؛ دلبر پنهنجي ديس ۾
اُتان آيس اوچتو، ڪٺي سورن جو سامان
ڇا منجهاروُن ڇا ٿي آيس، اهو اٿم ارمان
حيرت ۾ حيران، مون کي هير هتي ڪيو

حاکم تخت ہزارے کا قسمت نے کیا کنگال
خود مسکینی راہ چلا نہ دل میں کیا خیال
مستانہ دیوانہ عشق کا پہنچا کون سے حال
تخت ہزارہ یاد نہیں اور پوچھے جھنگ سیال

اپنے دیس میں دلبر میری تھی شاہوں سی شان
اک دم چھوڑ یہاں پہ آیا درد کا لے سامان
میں کیا تھا اور اب کیا ہوں یہ جاننے کا ارمان
ہیر کو آن یہاں دیکھا تو رہ گیا میں حیران

رانجهو هُيس راڻ، مالڪ پنهنجي مُلڪ جو
اديءَ عشق اندر ڪيو، پِيُرم ڪِين سماءُ
گهورڻ ڪيم گهاءُ، هِتي اَچي هِيَر جي

ڳئون چاريندس ڳرڻ جون، ڪاڻ ڪنين جي ڪاڻ
اِها روح رهاڻ، مَن پِيي مِيلي محب سان

نورنگ نه درد، ڪيڙو وجهان ڪوه
رانجهو منهنجي روح، سدا وَسي تو سِرِ تيون

هَرهَر ڏيئو هِير جي، رانجهو ڏسي راهَ
ڏيئو ٻاڻي ونجهَلي ٻِياهون تي چِتاه
سانديو ڏتي ساهَ، ”سچَل“ سورسچڻ جا

اَلستي آواز ڪو، منهنجي ڪَن پيو
هِردي اندر هير جي، آهي ڪونه ٻيو

اپنے دیس کا میں مالک تھا میں رانجھو تھا راؤ
عشق میں ایسا اندھا ہو گیا یاد رہا نہ بھاؤ
ہیر کے نیناں دے گئے مجھ کو گہرے گہرے گھاؤ

ساری گوٹھ کی گائیں چراؤں لیکن کس کے کارن
شائد مل جائے اس صورت مجھ کو میرا ساجن

کھیڑے جھونکوں بھاڑ میں ان سے دل ہے تنگ
سکھیو رانجھو من میں بسے، میرا اس کا جیون سنگ

رانجھو دیکھ رہا ہے رستہ ہیر کا ہر اک پل
ونجلی کے سُر دیکھو کیسی چاہ میں جائیں ڈھل
کیا کیا دکھ سینے میں چھپائے بیٹھا ہے وہ سچل

کیا آواز الستی تھی جو میرے کان پڑی
ہیر کے پردے پیچھے ہستی کوئی اور نہ تھی

مُرلِي ۾ مست ڪيو، جوڳيڙن جي جيڏيون

ڪاريهر ڦتيل، گود ين وڏا گودڙيءَ
مَنڍيو وتي منڍن سان، ناڳ نسورا نيل
رانجهن جي رسيل، مُرلِي ۾ مستانا ڪيا

مُرلِي ۾ تي تنهن مَردَ جي، ڪنيا ڪاريهرن ڪَرَ
ٻرِچڏي پاهر ٿيا، نِيلا نِڪري نَر
ڏهري منجهه ڏهر، جوڳيڙي جهتي وتا

جن کي اديون اوچتي، ڪاٽيو ڪاريهر
تن جي خاص خبر، جاچيو جوڳيڙن کان

ڪنُبيل ڪَنَ ۾ وجهي، خان ڇڏي خاني
جوڳيسرُ جاني، رادي ۾ طرف ردي هليو

ڇڏي چاهه چناب جو، راوي ۾ ڏانهن رڙيو

مست ہوئی ہیں جوگیوں کی جب مُرلی باج اٹھی

گودڑی والوں نے کیلے ہیں کیسے کیسے ناگ
ناگوں کو مسحور کریں ہیں جوگیوں کے ہی بھاگ
مست کریں رانجھن کی مُرلی سے نکلیں جو راگ

کیسا مرد قلندر تھا جب مُرلی آن بجائی
زہری ناگ بلوں سے نکلے پھن کی چھب دکھلائی
پل میں رام کیا جوگی نے ایسی کلا دکھائی

سکھیو جن کو ڈس کے گیا ہے زہری کالا ناگ
حال ان کا جوگی سے پوچھو جلی ہیں کون سی آگ

کان میں مندرے ڈال کے چھوڑی اپنی جانی
راوی رُخ سدھار گیا میرا جوگی جانی

چھوڑ کے چاہ چناب کی راوی اور گیا

مُرليون سُرليون، ونجهليون وڄائيندو ويو
تانِيڪو ٿيو، سو نانگو نورنگ پُرم

جوڳي آيو جوءِ م، مرڪٽو منڊار
مُرلي ۾ مستانا ڪيا، جنهن جي لک هزار
ڪاريهر ڪرڌار، نِيلا نانگ نوائيا

جو جوڳي زلفن وارو، سو سامهي مون تاڪين سُڃاتو
ڳل ڪئي ڪفني دست ٻيوتا، مشعل مُنهن مُوچارو
انگ ڀڀوت بنائي آيو، ٻيکه پٺي وڏجارو
پٺي لباس ڪو رانجهو اِيندو، ڇڏي تخت هزارو
سبب اِنهي ۾ ڪون ڪين سُڃاتم، ماريو مُنهنجي ۾ لئه وارو
"سچو" سُڃاتو ته رانجهو آهي، ڄڏهن جمال سليمائين سارو

میٹھے سروں میں بنسری کی تان اڑاتا تھا
آخر اس نے منزل کر لی رنگ پور میں جا

کیا گنوان تھا جوگی ہنستا میرے دیس میں آیا
اس کی مُرلی نے لاکھوں کو مست الست بنایا
نیلا زہر تھا کالے ناگ کا ناتھ نے اسے جھکایا

زلفوں کا چھتنارہ جوگی سوامی نہ پہچان سکی
گلے میں کفنی ہاتھ پہوڑا مشعل سامنہ سارا
انگ بھبھوت رما کر مانگے بھیک یہاں بنجارہ
اور لباس میں رانجھو آیا چھوڑ کے تخت ہزارہ
جان سکی نہ اُس کو اُس نے مجھ برہن کو مارا
سچو جانا رانجھو نے جب حسن دکھایا سارا

جوگ

پورب پَنڌ نه وڃڻا ، گِرناري گمنام
ويچاري ٿي واٽ تي ، ڪُرن ڪين وسرام
سيني ۾ سنگرام ، سَچا سنياسن جي

ورلو ويراڳي ، گيانيءَ ڏٺم گوڏڙيو
پُليا ڏٺم پير ۾ ، پوڳيءَ ۽ پياڳي
طالبُ ٿياڳِي ، لَکن ۾ ڪو هيڪڙو

جوڳين جتائُون ، جُوڙي جوڙيون جان تي
ڇمتا ٻڌي ڇيلهه سان ، تُنيون تنيائون

راہ چلتے تو نہیں ہے دیکھا رہیں سدا گمنام
عاجز بن کر راہ میں کریں نہیں بسرام
سچے سنیاسی کے من میں ہر دم ہے سنگرام

گودڑیوں میں گیانی دیکھا کوئی کوئی بیراگی
لاکھوں اس چکر میں گم قسمت نہ جن کی جاگی
بھوگی بھاگی لاکھوں ہیں اور ان میں ایک تیاگی

جوگی جکڑ لیں اپنی جٹاؤں میں اپنی ہی جان
چمٹے باندھ سر پر پھونکیں سنکھ ہر آن

جنجيرن سان جهان تي ، ڪِشتا ڪَڙ ياڻ،
گــروڙي گاڻون ، پــورب پنڌ پُڄي ويــا'

جوڳي ياتون پات ، پــرمنهنجو آڏو تــن ســان
سَفر ويا ساڃهري رهــيا رڳــي رات
طلب تنين جي تات ، راتيان ڏينهان روح ڪي

ڪاپڙي ڪن ڦاڙ ، آيل اَڄ لنگهي ويــا
مَستَ ڪري ويا مَن کي ، مُــرلين ساڻ مٽيار
تن جوڳيڙن جي جاڙ ، مون کان مُٺي نه وسري

لاتــي لاهــوتــين ، ڏرم جي ڏونــڙي
پنبڙ جي پــوٽــي ، ساڙي سنيا سِي هليا

زنجیروں سے کاسے باندھے ان کو سجاوٹ جان
پورب راہ کا پوچھتے جوگی گئے گذران

میرا عشق تو اور ہے ہیں جوگی بھانتوں بھانت
وہ جو صبح سفر کو نکلے رُکے تھے بس اک رات
میری روح کو ان کی طلب ہے ان سے ہے سنگ ساتھ

کان پھٹے تھے جوگی گذرے باندھ کے آج قطار
ایسی بجائی مُرلی کر گئے مست ہمیں منہ سیار
ان کی بات نہ بھول سکوں گی جیون کے اس پار

لاہوتی نے دین دھرم کی آج رمائی دھونی
سنیاسی نے آگ میں ڈالا کیا پنسیہ کیا پُونی

ٻئي ساري سَنيها ، پُنهونءَ کي، ٻيراڳي آهيان، وو.

حالُ ڏسيو تو جو ڏيئين، سارو عرض ڪرين، وو

دلاسو ڪو دوست ڏنهن ، ولي جلد ورين، وو

ڪا ڪج نه ڪيچ ڪي، پَيرَ تانه ڇڏين وو

ٻانهي ٻاٽي پانهنجي، گولن سانُ گَڏين، وو

تو سان عمر گُذاريان ، جان ڪي هِت هُئان، وو

ڳالهين تُنهنجن ڳاري آهيان ، جان ٿي رت روئان، وو

ڏوريندي مون ڏونگرين ، گهڻا ڏينهن ٿيا ، وو

ٻڌا هوندا هوت تو، جي "سچوءَ" سَڏ ڪيا، وو

قاصد سب سندیس پنوں کو دینا میں بیراگن ہوں

جا کہنا اس سے جو دیکھا تو نے میرا حالِ زبوں

یار سے حرفِ تسلی لانا، تجھ کو کتنی بار کہوں

مجھ کو چھوڑ کے کیچ نہ جانا میں شرمندہ تو نہ رہوں

باندی بن کر تیری باندیوں میں میں بھی رہنا چاہوں

جب تک جان میں جان رہے سنگ تیرے عمر بتاؤں

میں ہوں تیرے سخن کی ماری نس دن روؤں خوں

کتنے دنوں سے دشت و جبل میں میں تجھ کو ڈھونڈوں

ہوت صدائیں تجھ کی سنیں تم بھی ہوں گی کیوں؟

پنجابی

دوہے

چشماں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
نظر گھتیں جہیں طرف اُتے تہیں طرف تھیوے بیتابی
مشتاقاں دے دلباں ڈھوں کر دیاں شہید شتابی
سٹن، جھٹن تے پٹکاون، سچل عین عذابی

اکھیاں باز عقاب سوہنے دیاں کرن پرّوں پرواز وڈے
اگوں اوہناں مشتاقاں دے ہوندے سو نیاز وڈے
بانہاں بدھ، گھت گل وچ گاری کردے کھڑا ابلاز وڈے
تاں بھی سچل معشوقاں دے ہوسن غمزے ناز وڈے

حسن دے جوہر کارے چڑھدے بانکے نین سپاہی
شہر دلیں دالٹ کر نیون ڈیندا عشق گواہی،
عشاقاں دے سر چڑھ آدے فوج حسن دی شاہی؛
سچل نمانے دا توں جگ وچ پردہ رکھیں الٰہی

آنکھیں شور شراب متالی، غمزے رنگ گلابی
جس جانب تم آنکھ اُٹھاؤ سب کو ہو بیتابی
دیر لگے نہ کریں شہید دلوں کو وہ تو شتابی
پھینکیں، جھٹکیں، پٹکیں سجن ساری طرز عذابی

آنکھیں باز عقاب کہ جن کی حد سے پرے پرواز
چاہنے والوں کی خاطر ہیں سو سو ناز نیاز
گلے میں پلّو ڈال کروں میں اس سے عرض نیاز
سجن سننے کو تو سن لے مگر وہ اس کے ناز

حُسن کے بن ہرکارے چڑھ گئے بانکے نین سپاہی
لوٹ کے لے گئے دل کا نگر دیتا ہے عشق گواہی
چڑھ دوڑا ہے مشتاقوں پر حسن کا لشکر شاہی
سجن نمانے کا تو جگ میں پردہ رکھ الٰہی

شہر حسن دے وچوں چڑھدے ڈٹھیں نین نوابا ں
کاہ پون تریندیاں نستی شوکیاں پھرن شتاباں
قہر کریندیاں عشاقاں نوں ڈیون لکھ عذاباں
ویکھ سچل حیران رہیا اُتھ موتہہ والیاں مہتاباں

کشتی ڈٹھم وچ بحر دے تہیں وچ میر ملاحاں
جھٹیاں مارن مچھیاں کوں، نہیں کوئی غرض انہاہاں
کم اوہناں دا ایہو جیہا ملدر گھتن بادشاہاں
ہند، سندھ تے آن فلک نہ سچل، مارن ملک سپاہاں

ڈٹھایں رخسار سوہنے دا خوش خورشیدی خوبی
اکھیاں قاتل تھیون قہاری مشغل مونہہ محبوبی
عشاقاں کوں کرے اسیری، عشق والی اسلوبی
نا مخلوق ایھجے سچل سارا رنگ ربوبی

حسن کے شہر سے اُٹھے دونوں دونوں نین نواب
خون کے پیاسے، خاک اڑاتے پھنکاریں وہ شتاب
اہلِ وفا پر قہر بنے ہیں نازل کریں عذاب
دیکھ سچل حیران رہا اس کا مکھڑا مہتاب

کشتی دیکھی بیچ سمندر جس میں میسر ملاح
جھپٹیں مچھلی مچھلی پہ وہ ظالم بے پرواہ
رنگ ڈھنگ ان کے مار گرائیں ایک نہیں کئی شاہ
ہند سندھ کیا ہیں سچل فلک پہ چڑھ دوڑی ہے سپاہ

کیا رخسار کا جلوہ تھا وہ خوش خورشیدی خوبی
آنکھیں قاتل قہر کمائیں، مشعل رو محبوبی
قید کرے عشاق کو تیرے عشق کی خوش اسلوبی
وہ مخلوق نہیں ہے سچل اس کے رنگ نہ بوئی

وِچ تلا پانی دے بیٹھے ڈول شہزادے شوری
کردے عالم اُتے حکومت، حکم زورآور زوری
دست کمان اوہناں دے ہیئی مارن تیر لاہوری
سچل صف بصف مشتاقاں جان، جتھا سر گھوری

سوہنے دے مشتاقاں کوں ایہہ لُوہ گھتن لٹکاڑے
سوئی جانن جھلے جنھاں نے چشماں دے چٹکارے
عشاقاں دے وت بازاں وانگن جھڑپ ڈیون جھٹکاڑے
ایہناں سرّاں نوں سچل جانے، کون ڈیون اٹکارے

بانکے نین سجن دے غالب ماردیندے مشتاقاں
دلیاں لٹ لیون ہک واری کردے کم قزاقاں
بانہاں بدھ کھڑدے تے اگوں صفاں صف عشاقاں
عشق والیاں دیاں ہر دم سچل وِچ چھیجن خاکاں

ایک تال میں بیٹھے دیکھے دو شہزادے شوری
جگ پر حکم چلائیں دیکھو زور آور کی زوری
تیر کمان ہاتھوں میں ان کے ماریں تیر لاہوری
سچل عاشق حاضر کر دیں، روح، بدن، سرفوری

جُلس کے رکھ دیں سوہنے کے، مشتاقوں کو، لٹکا رے
بس وہی جائیں جنھوں نے جھیلے آنکھوں کے چٹکارے
جھپٹیں چاہنے والوں پر، دیں باز صفت جھٹکارے
سچل اس کے دستِ جفا کو کون بھلا اٹکارے

بانکے نین سجن کے غالب، ماریں جو عشاق
لوٹ کے لے گئے شہر دلوں کے وہ ظالم قزاق
باندھ صفیں، سو پاس ادب سے، حاضر ہیں مشتاق
سچل عشق کے مارے چومیں اس کے پیر کی خاک

چمکن، جھلکن، جھمکن رُخ تے واہ موتی دے دانے
ساگی صورت حق دی ویکھو جے کوئی آن سنجانے
جھلکن جوڑ، جبیں تے جادو یار سوہنے کوں بھانے
سچل قدر اوہناں دا جاناں یا وت آپ اوہ جانے

سوہنیاں دے موتہہ سوہنیاں بُھرڑیاں کجا کج محرابیاں
مسجد ہے یا کعبہ قبلہ ڈیون عشق عذابیاں
ڈنگیاں ونگیاں واہ واہ دیکھو مصحف دیاں اعرابیاں
یا وت حسن دے شہر تے کردا سچل نینہہ نوابیاں

سُرخ لباں ہَن لعل امانی یا یاقوت یمانی
موتی موتہہ اگوں شرمندے ہیرے تھئے حیرانی
جھلک جھلک رخسار سوہنے دا پرتو نور نشانی
سچل ویکھ تجلا تہیں دا ہوئی دل دیوانی

چمکیں، جھلکیں، جھمکیں اس کے رُخ پہ موتی دانے
ساری صورت حق کی دیکھے گر کوئی پہچانے
یار سوہنے کی پیشانی پہ جادو عجب لگانے
اِس کی قدر تو سچل جانے یا پھر آپ وہ جانے

اس کے رُخ پہ کتنی حسیں ہیں کج کج یہ محراب
مسجد ہو یا قبلہ کعبہ، عشق پہ سدا عذاب
ٹیڑھے میڑھے کیسے حسیں ہیں مصحف کے اعراب
جیسے حسن کے شہر کے سچل، ہو گئے ہیں نواب

سُرخ ہیں لب کہ لعل رمانی یا یاقوت یمانی
موتی دیکھ اسے شرمائیں ہیرے ہیں حیرانی
جھلک جھلک رخسار ہے اس کا پرتو نور نشانی
سچل دیکھ تجلّی اس کی ہو گئی میں دیوانی

سوہنے یار دیاں سوہنیاں اکھیاں شاہیناں تے شاہبازاں
ماس ینیماں اتوں آکر کرن پر دل پرواز اں
چھوڑ تمنا سر دی کھڑدے عاشق عشقے بازاں
معشوقاں نوں رحم نہ پوندا رہندے بے نیازاں
درد ڈاڈھے کنوں کر دے عاشق آہاں نال آوازاں
ہر جا قدر اوہناں دا سچل نہیں توڑے شہر درازاں

سوہنے کی سوہنی آنکھیں ہیں شاہین ہیں وہ شہباز ہیں وہ
بے آس یتیموں کے سر پر ہر دم محو پرواز ہیں وہ
سر دینے کی خواہش لے کر کیا عاشق عشق نواز ہیں وہ
کوئی رحم نہیں ان کے دل میں کتنے محرم ناز ہیں وہ
عاشق ہیں ہمہ تن درد ہوئے ہاں درد کی اِک آواز ہیں وہ
عزت ہے سیحل ہر جا ان کی محدود نہ شہرِ دراز ہیں وہ

کافی

بغیر عشق دے ڈوجھا کوئی خیال نہیں
نہیں جو عشق تاں لے دوست تیڈا حال نہیں
سجن دے در تے شب و روز دھواں پا رہندے
نہ ایڈے وڈے تھیون عاشق ایک جا رہندے
انہاں دے عشق دا تیکوں کوئی خیال نہیں
انہاں دا حال وچھوڑے صفا ونجا چھوڑیا
انہاں نے باربرہ دا ہے سر تے چا چھوڑیا
بغیر درد، محبت دا کوئی مال نہیں
اوہ ہائے ہائے کرے راہ تے ڈنا روے
زمانے وچ نہ جیون جیہا سکھ نہیں سودے
اوہیں غریب کوں حاصل کڈاں وصال نہیں
سجن دے دستوں جو عاشق غریب قتل تھیا

بغیر عشق کوئی دوسرا کمال نہیں
نہیں جو عشق تو اے دوست تیرا حال نہیں
دھواں سجن کی گلی میں رما کے رہتے ہیں
بس اک مقام پہ دل کو لگا کے رہتے ہیں
انہیں کے عشق کا لیکن تمہیں خیال نہیں

اُجڑ گئے ہیں وہ دردِ فراق میں تیرے
انہوں نے سر پہ اُٹھائے ہیں درد کے ڈیرے
بغیر درد، محبت کا کوئی مال نہیں

ترے خیال کی راہوں میں وہ بہت رُوئے
ترے فراق میں وہ ایک پل نہیں سوئے
کہ ان غریبوں کو حاصل کہیں وصال نہیں

تمہارے ہاتھوں ہوا قتل جو بھی اہلِ وفا

اوہو ای مرد بنیا عشق والے مقصد دا
قسم سجن دی اوہیں تے کوئی وبال نہیں

سجن کوں جیں بھی ڈٹھا تھی گیا اوہ دیوانہ
رہیا نہ ہوش اوہیں کوں تھیا اوہ مستانہ
سجن دے حسن دا ڈوجھا کوئی مثال نہیں

کرم کرکے سجن گھر اساڈے آ، سائیں
سچل غریب کنوں چت کڈاں نہ چا، سائیں
اوہیں جدائی جیہا کوئی بیا زوال نہیں

وہی تو مرد بنا منزلِ محبت کا
قسم تمہاری کہ اس پر کوئی وبال نہیں
اُسے تو جس نے بھی دیکھا ہوا ہے دیوانہ
رہے نہ ہوش و خرد ہو گیا وہ مستانہ
کہ تیرے حسن کی جگ میں کوئی مثال نہیں
کبھی تو مہر کر اور میرے گھر میں آ سائیں
سچلؔ غریب کو دل سے نہ تو بھلا سائیں
اسے جدائی سے بڑھ کر کوئی زوال نہیں

جهيں دل پيتا عشق دا جام سا دل مست و مست مدام
دين مذاهب رهندے کتھے، کفر کتھاں اسلام
پنجتن پاک حمايت ميڈے حسنؓ حسينؓ امام
بخش کريندا عشاقاں تے جنت جا مقام
سر ڈيون کيتے عشاقاں نوں عشق بدھائے احرام
راتيں ڈينہاں مشتاقاں نوں مستی موج مدام
عشاقاں دا اصل کنوں ہے سولی سر انجام
سُولی تے منصورؒ چڑھايا، 'انا الحق' کلام
چادن بار ملامت سِر تے بره سارا بدنام
چھوڑيا تہيں کوں علم عقل نے جہيں دا عشق امام
جا صفت دی مُول نہ وڑدا کلی چھوڑ کمام
درسائياں دے سوين سپاہی، سچل بھی ہک غلام

جس نے پی لیا عشق کا جام وہ دل مست و مست مدام
مذہب دین کہاں رہتے ہیں، رہیں نہ کفر اسلام
میرے حامی پنجتن پاک اور حسنؓ حسینؓ امام
کرم کرے عشاق پہ ان کو دے جنت میں مقام
سر دینے کو عشق نے باندھے عاشقوں کو احرام
شام و سحر مشتاقوں کو ہے مستی موج مدام
مشتاقوں کے بخت میں ہے بس سُولی کا انجام
سُولی پر منصور تھا اس کا اناالحق کلام
ہجر سبب تھا، اس کے سر پر جو آیا الزام
عقل اور علم کو اس نے چھوڑا جس کا عشق امام
دنیا داری سب چھوٹے بس رہ جائے اک کام
کھڑا ہے مالک کے در پر سچل بھی ایک غلام

رودرہی آں یار، ہُن ہے مناسب آون تیڈا
روزِ الستی سر تے چاتم برہ تیڈے دا بار
ہجر تساڈے کاہل کیتا رووواں زار و زار
لُوں لُوں دے وچ عشق لپیٹیا تن من تیڈی تار
لکھ کروڑیں، کِتلے آکھاں، ماریا اسے حسن ہزار
اکھیاں تیڈیاں گل، گلابی، خونی عجب خمار
ظاہر نال زبان کریساں الفت دا اقرار
چشماں بحری باز قاڈیاں شوقی کرن شکار
عاشق کِتلے قتل جو کیتے، صورت دے سنگھار
تیڈے کارن جوڑ پاتوسے، گل ہنجواں دا ہار
سُولی تے منصُور چڑھایا، چشماں دی چمکار
کویں کراں، جو دل دا ونجایا، بر ہے صبر قرار
دین مذاہب کُل دے کولوں یار سچل بیزار

روتے روتے عمر گذر گئی اب آجاؤ یار
روزِ الست سے میرے سر ہے، تیرے عشق کا بار
ہجر نے کچھ نہیں چھوڑا جاں میں روؤں زار و زار
عشق نے رواں رواں باندھا تن من اس کی تار
حسن کے ہاتھوں لاکھوں آخر جان گئے ہیں ہار
تیری آنکھیں گل گلابی، خونی عجب خمار
بھری بزم میں اس کے عشق کا کر لوں گا اقرار
تیری آنکھیں سحری بازیں، ان کا شوق شکار
کیا کیا عاشق قتل ہوئے ہیں، دیکھ تیرا سنگار
تیری خاطر ڈال پروئے گلے میں انسون ہار
سُولی تک منصور کو لے گئی، آنکھوں کی چمکار
کچھ نہیں بس میں سوزِ فراق نے چھینا صبر قرار
جگ کے دین و مذاہب سے ہے یار سچل بیزار

خدا کس جا نہیں چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
بہر جائی بھی حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولو تے ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دعوت کی درویشی کہاں دردوں کی دلریشی
کہاں رکھدا ہے بدکیشی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں لکھ ورد پڑھدا ہے کتھ اپنے نال لڑدا ہے
کہاں خوںناب کردا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں بازی گراں بازی، کہاں میدان دا غازی
کہاں مفتی کہاں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دلقی گداگر ہے کہاں پیری مجاور ہے
کہاں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

خدا کس جا نہیں رہتا اللہ جگ لوک سارا ہے
گلی کوچے میں ہے جلوہ اللہ جگ لوک سارا ہے
وہ ہر ہر جا پہ حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
وہ آنکھوں پر بھی ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں دعوت کی درویشی کہیں دردِ دل کی دلریشی
کہیں رکھتا ہے بدکیشی، اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں اوراد پڑھتا ہے کہیں خود سے ہی لڑتا ہے
کہیں وہ قتل کرتا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں بازیگراں بازی، کہیں میدان کا غازی
کہیں مفتی کہیں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں گدڑی گداگر ہے کہیں پیر اور مجاور ہے
کہیں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

کہاں کر دبدبے لشکر پکڑ دے زور ہر کشور
کہاں احمدؐ کہاں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے شان شاہی کا کہاں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش الائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں کرتا ہے بیداری کہاں کرتا ہے لکھ زاری
کہاں چلتا ہے خمّاری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے عبدہٗ سارا کہاں اسکندر و دارا
کہاں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں مست و موالی ہے کہاں ہر کس دا والی ہے
کہاں بیجوؔ سوالی ہے' اللہ جگ لوک سارا ہے

کہیں دہلائے بن لشکر کہیں ہے زیر ہر کشور
کہیں احمدؐ کہیں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے شان شاہی کا کہیں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش نوائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے صرف بیداری کہیں ہے نالہ و زاری
کہیں مستی بنا ساری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے عبدہٗ سارا کہیں اسکندر و دارا
کہیں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں مست و موالی ہے کہیں ہر اک کا والی ہے
کہیں پیچو سوالی ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

آکھ تاں ناؤں "فقیر" کیوں کر سڈاؤندا ایں
عشق دے میدان وچ مُول نہ آؤندا ایں
غفلت وچ عمر سبھ تیڈی برباد ہوئی
مستی مے خانے ڈھوں وقت نہ کہیں جاؤندا ایں
زندگی ہے عذاب ہے ہے اوہیں یار بن
سمجھ تُساکوں نہیں لوک نوں سمجھاؤندا ایں
بات برہ دی بیان کر بیندا ایں عالم اگوں
وائے تیڈے حال تے پیر نہ اوڈھوں پاؤندا ایں
دعویٰ کریں عشق دی خوشں رہیں تعریف وچ
بار ملامت والا سر تے نہیں چاؤندا ایں
خوش لباس تے غذا دی تیکوں بہوں آرزو
یار دی جدائی کنوں انگ نہ بھسم لاؤندا ایں
مست سچل ہو رہیا پیالہ پی شوق دا
آپ تے نچدا نہیں لوکاں نوں نچاؤندا ایں

بول 'فقیر' تو خود کو کیوں کہلاتا ہے
عشق کا ہے میدان، نہیں تو آتا ہے
غفلت میں سب عمر تری برباد ہوئی
کبھی نہ مستی مے خانے کو جاتا ہے
اُس بن جیتے رہنا ایک عذاب ہوا
تو سمجھا نہیں لوگوں کو سمجھاتا ہے
خلقت سے تو ہجر کہانی کہتا ہے
تف ہے تیرے حال پہ خود گھبراتا ہے
عشق کا دعویدار ہے خوش خوش رہتا ہے
سر پر بارِ ملامت کہاں اُٹھاتا ہے
خوش خوراکی، خوش پوشی کا شوق تجھے
ہجر میں انگ بھبوت تو نہیں رماتا ہے
پی کے پیالہ شوق سچل سرمست ہوا
ناچتا خود نہیں پر لوگوں کو نچاتا ہے

اس بازی وچ سر بازی ہے
سر ڈیون سرافرازی ہے
ایہو عشق دی عرض نیازی ہے
وت شاہی عشق لگاون کیا
وت تیکوں آپ چھپاون کیا

آپ کنوں گذر توں کردا نہیں
سولی اُپر چڑھدا نہیں
مرن کولوں اگ مردا نہیں
وت عاشق نام سڈاون کیا
وت انا الحق الاون کیا

جے سر ڈیویں سانگا چھوڑیں
وچ وحدت تے دوئی بوڑیں
سگ سیاپا سارا توڑیں
نینہہ شاہاں نال لاون کیا
وت ایس گلی وچ آون کیا

دل بیر پچھوں تے مڑنا نہیں
وت ایسا سودا کرنا نہیں
وت موت کنوں بھی ڈرنا نہیں
وت بار برہ دا چاون کیا
وت دردر آپ پناون کیا

یہ بازی سر کی بازی ہے — سر دینا سرافرازی ہے
یہ عشق کی عرض نیازی ہے — ورنہ کیا عشق لگانا ہے
ورنہ کیا خود کو چھپانا ہے

تو اپنے آپ سے گذرا نہ — سُولی کے اوپر جھولا نہ
مرنے سے پہلے گذرا نہ — پھر عاشق نام کا شہرہ کیا
پھر انا الحق کا نعرہ کیا

جب سر دو، ساتھ بھی چھوڑو — وحدت میں دوئی کو چھوڑو
اور رشتے ناطے سب توڑو — شاہوں سے نین لگانا کیا
پھر اس کی گلی میں آنا کیا

نہیں اُلٹے پیروں پھر پھرنا — ایسا نہیں سودا پھر کرنا
اور موت سے بھی ہے نہیں ڈرنا — پھر بار برہا کا اٹھانا کیا
پھر در در مانگ کے کھانا کیا

عاشق ہو کر نوبت ماریں | اپنا سر صحیح سنبھاریں
باہنہب والی گالھ وساریں | وت سر دے وال مُنادن کیا
وت آپتے خلق کھلاون کیا

تخت تیار تماشہ لاویں | انا الحق کلام الاویں
سُولی اُپر آپ سلاویں | خیال خودی دا کھاون کیا
وت طرح اسی وچ تاون کیا

اوہ نکلے ڈیہنہ غلامی وچ | وت سارا زور سلامی وچ
کیوں آپ گھتیوئی خامی وچ | وت سُولی سر سلاون کیا
وت آپوں آپ لگھاون کیا

عشق دے ڈیرے عاشق آ | سارے سِتر دے لیئی سما
اس بازی دا عجب بنا | وت گلی گلی وچ گاون کیا
وت ایسا سِتر سناون کیا

بن عاشق اور نوبت یہ بجا
ہاں راز اپنا ہر اک پا جا
اور درد دالم کی بات بُھلا
پھر سر کے بال منڈانا کیا
خلقت کو خود پہ ہنسانا کیا

یہ کھیل بھی اب دِکھلاتا چل
حرف انا الحق اٹھاتا چل
سُولی پہ خود کو سُلاتا چل
اب فکر خودی کا کھانا کیا
اسی سوز میں جان کھپانا کیا

ہاں کتنے دن ہیں غلامی کے
دن سارے نذر سلامی کے
گھیرے ہیں اپنی خامی کے
پھر سُولی پر چڑھ جانا کیا
پھر خود کو بڑا بنانا کیا

تو عاشق عشق کے ڈیرے آ
ہاں بھید کی بات کا لُطف اُٹھا
ہیں اس بازی کے ڈھنگ جُدا
پھر گلی گلی میں گانا کیا
یہ بھید کسی کو بتانا کیا

دیں کفر کنوں منزل چاویں   "ہو" تھی "ہو" دا حکم چلاویں
پچھے مُول نہ پیر دلاویں   وت بیڑا سی دریا دن کیا
وت گھٹی آپ گھما دن کیا

عاشق ہونڑا نہ تھی   یکدل یار یگانہ تھی
عالم وچ بیگانہ تھی   وت نیکوں آپ جھادن کیا
وت ایسا کام کمادن کیا

وہ عشق دے کوچے آیا ہے   وہ کیسا قدم اٹھایا ہے
ہُن درسن سارا پایا ہے   سچل سرڑے آپ بچاون کیا
وت جوشاں جی جلادن کیا

تو کفر اسلام سے بچتا جا　　تو "ہو" بن "ہو" کا حکم چلا
تو پیچھے قدم نہ ایک اٹھا　　پھر اس کے در پہ جانا کیا
دستک پر اس کا آنا کیا

تو عاشق بن کے نشانہ بن　　اور یکدل، یار یگانہ بن
تو عالم میں بیگانہ بن　　پھر جا کے اسے رجھانا کیا
پھر ایسا کام کمانا کیا

وہ عشق کے کوچے آیا ہے　　اور کیسا قدم اٹھایا ہے
اب سارا درشن پایا ہے　　سچل اب سر کو بچانا کیا
اس دکھ میں جاں کو جلانا کیا

میں تاں آپ مستان ہو رہی ہن نال سیاں آکھاں حال کیہا
ماہی یار محرم میڈے حال وا میڈا کم اوراں دے نال کیہا
سنو سبھ سیالیں دو گالھ میڈی رانجھو یار باہجوں ملک مال کیہا
ماہی چاک میڈی ڈِل لُٹ نیتی تساں کیں کھیڑیاں دا خیال کیہا
جہیں دی روزِ الست میں ہو رہی اتہیں دی آہس بیاد و سیال کیہا
میں کون ہو تیکوں ڈورایا ڈیواں سُن یار میڈا ہے مجال کیہا
ول آکھاں لٹیجن توں ہکو میکوں میڈا تھیوسے اتھاں اقبال کیہا
مہر نال پچھیں جے توں آپ میکوں سچو آکھ تیڈا ہے سوال کیہا

سانورا بانورا میڈا ماہی مولا شال ملاوے
اب کے وچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جاوے
راتاں ڈیہناں تاہنگ تساڈی سینے ہِک نہ سماوے
اللہ کریسی ڈیہناں او ہو ای انگن سجو دے آوے

میں مستی میں ڈوب گئی سکھیوں کو سناؤں حال کیا
ماہی میرے حال کا محرم غیر کا ہے جنجال کیا
سب کچھ میرا رانجھا ہے میرا اور ہے مال و منال کیا
ماہی نے دل لوٹ لیا ہے اب کھیڑوں کا خیال کیا
روزِ ازل میں اس کی ہو گئی جھنگ ہے کیا اور سیال کیا
دلبر جانی، میں اور تجھ کو دکھ دوں، مری مجال کیا
میں چاہوں پھر لوٹی جاؤں مرا ایسے ہے اقبال کیا
مہر محبت سے پوچھو سچو میرا بھی ہے سوال کیا

سانورا بانورا میرا ماہی مولے آن ملائے
اب کے بچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جائے
شام و سحر ترا دھیان آتش سینے میں نہ ہی سمائے
ربّ کرے سچو کے آنگن اک دن وہ بھی آئے

ندی کنارے کھڑا ودرانجھو چل ویکھو کریندا زاری

پچھ پچھ آیا سُوراج سیالیں دا

وبھلی وجیندا سووت بہوں بہوں روندا

آب اکھیں کنوں جاری

کڈاں کڈاں سوتاں بیٹھا روندا اے

گالھ سیالیں دی سبھ کنوں پچھدا اے

تھی آیا کوئی واپاری

سُو ہے دا سبھ ویس کریسوں وے

بوٹے چندن نال وال گُندیسوں وے

تنہیں گل گھتیسوں گاری

مشک گلاب دے نال دھوبیسوں وے

خوشبویاں سبھ لنگیں کوں لیسوں وے

کرسوں کجلیاں کاری

ندی کنارے کھڑا ہے رانجھا، کرتا گریہ و زاری

کہاں کہاں سے پوچھ پوچھ کے آیا دیس سیال
بنسی پہ وہ تان اُڑائے دکھ میں ہو کے نڈھال
آنکھوں سے آنسو جاری

کہاں کہاں پہ بیٹھ کے رو دیا کیسا اُسے ملال
کس کس سے وہ پوچھ چکا ہے جھنگ سیال کا حال
آیا ہے کوئی بیوپاری

میں پہنوں گی اس کی خاطر سُرخ سہاگ کا جوڑا
بال بناؤں ایسے جن میں چندن نہ ہو تھوڑا
گردن میں پھندا بھاری

مشک گلاب سے غسل کروں اور تن من کو مہکاؤں
اِک اِک انگ کو سو سو خوشبوؤں میں میں بساؤں
گجرے سے نین ہوں کاری

عطر عبیر دا مینہ وسیسوں وے
سجو سیر ھا چاک کریسوں وے
تہیں توں تھیسوں واری واری

عشق دے باہجوں بیا سبھ کوڑ سُولی تے منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
من اساڈا نہیں منیندا مُلیاں دا مذکور
ڈیہنہ جوانی لنگھ گیو سے ہُن تھیو سے جھور
ظاہر ڈیکھم یار سجن دا نینیں والا نُور
بیاں سبھ گالھیں پھڑ تیاں پھاہیاں، چھوڑن ہے نی ضرور
سچل سچ صحیح کر جائیں ہیئں توں آپ حضور

عطر عبیر بکھیروں ایسے جیسے مینہ برساؤں
سچل یہ کچھ کر کے میں پھر تجھ کو چاک بناؤں
جاؤں تجھ پر واری واری

عشق بِناں سب جھوٹ ہے پیارے سُولی پر منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
دل نے کبھی نہیں مانا ہے مُلّا کا مذکور
پیری آئی گئی جوانی جس کے دن مخمور
میں نے دیکھا یار سجن پر عشق سے پھوٹا نور
باقی کیا ہے، جال بچھے ہیں، ان سے بچو ضرور
سچل ایک حقیقت تو ہے، تو ہے آپ حضور

تاب کنوں بے تاب میاں، ہن تاب کنوں بے تاب
نہ میں گویا نہ میں جویا ، نہ میں سوال جواب
نہ میں خاکی نہ میں بادی ، نہ میں اگ نہ آب
نہ میں جنّی ، نہ میں انسی ، نہ مائی نہ باپ
نہ میں سُنی نہ میں شیعہ ، نہ میں ڈوہ ثواب
نہ میں شرعی ، نہ میں ورعی ، نہ میں رنگ رباب
نہ میں مُلاں نہ میں قاضی ، نہ میں شور شراب
ذات سچل دی کیہی پچھدائیں نالے تاں نایاب

آندا جاندا یار دے ویہڑے دے وچ یار اساڈے
مارن کان اساڈے کیتُس صورت دا سنگار دے
بُو عطر دی مست کیتا وت کوچہ شہر بازار دے
وچ فراق وصال گِھد دے ، سچل کیا اسرار دے

تاب سے میں بے تاب ہوا ہوں تاب سے میں بے تاب
نہ میں گویا نہ میں جویا نہ میں سوال جواب
نہ میں خاکی نہ میں بادی نہ ہی آتش آب
نہ میں جنی نہ میں انسی نہ مائی نہ باپ
نہ میں سنی نہ میں شیعہ، پاپ نہیں نہ ثواب
نہ میں شرعی نہ میں ورعی نہ میں رنگ رباب
نہ میں ملاّ نہ میں قاضی، نہ میں شور شراب
ذات سچل کی کیا پوچھو ہو، یہ تو ہے پر نایاب

اس آنگن میں آئے جائے، جائے آئے یار
گھائل کرنے ہمیں وہ نکلا کر کر عجب سنگھار
مست ہوئے اس کی خوشبو سے کوچے اور بازار
وصل کی شب میں مانگی جدائی سچل دیکھ اسرار

غیر دے خام خیال کنوں ہُن ہادی ساڈی توبہ توبہ
جیہی تیہی تیڈی آہاں دور نہ کریں وصال کنوں
آپوں آپ جمال وکھائیں میں گئی ہاں ہر حال کنوں
ناؤں سائیں دے ساکوں بچاویں غیر دی قیل مقال کنوں
عرض اساڈا من توں ہادی قسم ہے بیئے سوال کنوں
گڈھ ہوون داتیں آکھیا سانوں گھلی آں ایہیں گالھ کنوں
دین کفر توں قسم چاتوسے ساڈی بس ایہیں وبال کنوں
عشق اساں نوں الف پڑھایا ٹھیہہ گئی دلڑی دالؔ کنوں
کڑم سبھوئی کوڑی آکھے سچی تھئیس ایں سنبھال کنوں
جان سجل دی نال تساڈے چھٹ گئی ہاں جنجال کنوں

مرشد میری توبہ توبہ غیر کے خام خیال سے

جیسی ہوں، محروم نہ رکھنا، مجھ کو اپنے وصال سے

آنکھ پڑی ترے حسن پہ میں تو گذری اپنے حال سے

نام سائیں کے مجھے بچانا غیر کی قیل مقال سے

سائیں اک میری عرض سنو، میری توبہ اور سوال سے

سر نہیں کھینچا ترے اک رہنے کے حکم کمال سے

دین اور کفر سے ہاتھ اٹھایا چھوٹی جان وبال سے

عشق نے ایسا سبق پڑھایا گذرے قیل اور قال سے

جگ، جھوٹا کہتا تھا مجھ کو، میں سچی ہر حال سے

جان سچل کی تجھ پہ فدا، میں بچ گئی ہر جنجال سے

کیہا شک گمان سبھ کہیں صورت سیر تساڈا
لکھ پوشاکاں کر کے عاشق کیتئیں ہمہ حیران
شاہ منصور دا سر کپایئو، مل کھڑا میدان
اوہ بھی توں ہیئں ایہہ بھی توں ہیں آپ کریں ارمان
مُلّاں تھی کر ڈیویں فتوے، آپ تھیویں قربان
سچو ہویا نام تساڈا، کریندیں آپ بیان

اول دلاسے ڈے گیا، ہُن کیہے گناہوں رُس ویندا
دل توں ساڈے وسر نہ ویندا، ہجر دے وچ جو حال تھیا
سو سو طعنے لکھ لکھ بدیاں کردا سارا لوک رگلہ
مہراویں توں مُول نہ جاویں پیش جو تیڈے یار پیا
عشق تیڈے دا ڈیرا دلبر ناگہ نیناں تے ہے تھیا
سنگ ہے سجّل کڈاں چھوڑ نہ جاویں، سوہنا سینے نال لگا

ہر صورت میں جلوہ اس کا کیسا شک گمان
تیرے روپ ہیں لاکھوں، عاشق رہ گئے سب حیران
دار پہ وارا شاہ منصور، تُو بیچ کھڑا میدان
وہ بھی تُو تھا، یہ بھی تُو ہے، کیا کیا تیری شان
مُلّا بن کر فتوے دو، خود ہو جاؤ قربان
سچوؔ آپ ہی ازلی چپ ہے آپ ہی شرحِ بیان

جو دل کو سہارا دیتا تھا کس کارن ہم سے روٹھ گیا
کب بھول سکے گا دل اپنا ترے ہجر میں جو جو حال ہوا
جو طعن کے بول سہے میں نے لوگوں سے سُنا جو بُرا بھلا
گر تیری مہر رہے مجھ پر منظور ہے جو جو ظلم ہوا
ترے عشق نے آنکھوں میں دلبر اک عمر سے ڈالا ہے ڈیرا
سچلؔ تو وفا کا پتلا ہے، اسے چھوڑ نہ جا، سینے سے لگا

چھوڑ گمان گدائی والا شملا چا بدھ شاہی دا
مار نغارا وحدت والا فکر رکھیں بادشاہی دا
غیر خیال گذار نہ دل تے غمزہ ہئی گمراہی دا
گمراہی وچ ہئی ہدائت نور سفید سیاہی دا
ہر کہیں طرفوں تارک تھیویں کم کر کج کلاہی دا
مار ڈغاتاں ظاہر تھیویں سر کا پی صراحی دا
آپ سنجان انا الحق آکھیں، مانیں عیش الٰہی دا
نفی سچل اثبات کریندا ویکھو سیر سپاہی دا

بے رنگی تصویر مولا دی سو رنگ وچ سمایا ہے
آپے گاتا، آپ بجاتا آپ سمیع بصیر
کتھاں لیلیٰ، کتھاں مجنوں، کتھاں نینگر پیر
کتھاں صاحب حکم چلیندا کتھاں سڑیندا فقیر
سچل ہر جا رنگ رانجھن دا حاجت نہیں تقریر

چھوڑ گمان گدائی والا شملہ باندھ لے شاہی کا
مار نقارہ وحدت والا، فکر ہو شاہنشاہی کا؟
غیر خیال گذار نہ دل سے ساماں ہے گمراہی کا
اس میں بھی ہے نور ہدائت نور سفید سیاہی کا
تارک ہو تو دنیا کا کر کام یہ کج کلاہی کا
مار کے ڈھول تو ظاہر ہو پی گھونٹ یہ مے کی صراحی کا
خود پہچان انا الحق کہنا، کرنا عیش الٰہی کا
نفی سے ہے اثبات سچل ہاں دیکھو روپ سپاہی کا

بے رنگی مورت مولٰے کی سو رنگوں میں سمایا ہے
آپ ہی گائے آپ بجائے آپ ہی سمیع بصیر
مجنوں کبھی ہے، کبھی ہے لیلٰی کبھی جواں کبھی پیر
کہیں پہ حاکم حکم چلائے کہیں بنے وہ فقیر
سچل سب رنگ رانجھے کے میں کیوں کیجے تقریر

نال ڈاہڈے دے یاری لگڑی روز ازل کنوں
بانہاں بدھ کے پیش پواں ہیں، نال سائیاں دے زاری
علم عقل تے شرم حیا، کنوں عشق کیتی بیزاری
اپنی مرضی نال اساں خود بردہ چاتو سے یاری
آنگن اساڈے نال کرم دے آتوں سجن ہک واری
عشق تیڈے دی دل میڈے تے، اصل کنوں مختاری
تیکوں ہے معلوم اے پیارا گالھ بجل دی ساری

حسن اساں تے ہلاں کیتیاں کنھوں آکھاں حال
چت داچولا تیڈے کارن رو رو کیتم لال
دوست تساڈے درد دے باہجوں جیون سبھ جنجال
نظر اساکوں کوئی نہ آیا پیار بناں بیا مال
نال بجل دے آن گذاریں سن میڈا توں سوال

روزِ ازل سے لگی ہوئی ہے اس منہ زور سے یاری
ہاتھ باندھ میں عرض گذاروں سُن مرا نالہ وزاری
عقل اور علم اور شرم و حیا سے عشق کو ہے بے زاری
جی چاہا تھا ہم نے اٹھا لی ہجر کی گٹھڑی بھاری
کرم کرو، مرے آنگن آؤ بے شک ایک ہی باری
میرے دل پر ایک تمہارے عشق کی ہے سرداری
پیارے تو جانے ہے سچل کی جو ہے حقیقت ساری

حسن نے کیا یلغاریں کی ہیں کس سے کہوں میں حال
خون کے آنسو رو رو کر ملبوس ہوا ہے لال
اور اگر نہ ہو دردِ جدائی تو جینا بھی محال
جگ میں پیار کا سودا سچا، کھرا یہی ہے مال
آؤ سچل سنگ عمر گذارو، مانو مرا سوال

نیناں والی نوک اسانوں سانوں لائیوا ای یار
ویکھن نال حیران رہی ہیں اکھیاں دا اسرار
محض ایہناں منصور مرایا خونیاں دے بھی خمار
ڈھڑدای کیہہ عالم دے وچ عاشق تھی اظہار
کئی دانا دیوانے کیتے چشماں دے چمکار
رُخ تے زلفاں لٹکن لمکن خون کرن خمدار
کالے وال کا دیہر وانگے چارے تھئے چودھار
موتہہ ڈٹھم مہتاب سجّل دا کیتم ج ہزار

اساں ونجنا تخت ہزارے رہنا راوی دے کنارے
ایہہ دل ساڈی تھئی دیوانی ویکھن ہک نظارے
ہو کنیزک ونج اتھائیں باقی سائیں گذارے
ٹھڈڑیاں ٹاہلیاں راوی والیاں جتھاں رانجھو مست پکارے

ان نینوں سے ہم کو کیسا گھائل کر گیا یار
دیکھ کے ہیں حیران ہی رہ گئے آنکھوں کے اسرار
یہ منصور کو لے بیٹھیں، یہ خونیں مست خمار
دیکھا جگ میں عاشق کی ہے کیا طرزِ اظہار
کیا کیا دانا ہوئے دوانے چشم کی ہے چمکار
خون کریں کیا کیا، رُخ پر بکھری زلفیں خمدار
بال، گھٹائیں شاہ کالی، تاریک ہوئے چودھار
سچل چاند کا منہ دیکھا مرے ہو گئے حج ہزار

ہمیں جانا تخت ہزارے رہنا راوی کے کنارے
دل اپنا ہوا دیوانہ مانگے بس خاص نظارے
وہاں رہنا باندی بن کے یوں ساری عمر گزارے
راوی کی ٹاہلیاں ٹھنڈی جہاں رانجھو مست پکارے

ہے ضرور اساں کوں ونجنا اُتھاں کیتا یاد پیارے
سُن دے سجّے ہکو رانجھن جائیں لگ نہ کہیں دے لارے

لگڑی وِنج دل رانجھے نال اڑے لوکو اڑے لوکو
روح اساڈا رانئیں ڈیہناں پیا وِنج خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والے ہیں تاں ہیر سیال
دل تے آ جو محکم رہی رانجھو دی ہک گالھ
اصلوں تہیں دے نال جو آہی جی میڈے دی جال
عشق رانجھو دا اندر وڑیا دِسر گئی بئی چال
کیوں اپنا ہیں حال سناواں بہُوں کیتا بے حال
اگوں سجن دے عرض کرن دی میڈی کیا مجال
حاضری وِنج ہمیشہ ہوویں سچو توں آپ سنبھال

لازم ہے ہمیں واں جانا ہمیں یاد کیا ہے پیارے
رانجھن بس ایک ہی سچو لگنا نہ کسی کے لارے

دل رانجھے کے نال رہی دنیا دل رانجھے کے نال
شام وسحر اس دل میں بسے بس ایک ہی خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والا میں ہوں ہیر سیال
دل پر آکر بیٹھ گئی رانجھو کی بات کمال
روزِ ازل سے اس سنگ تھے میرے سارے سُر اور تال
دل میں عشق سمایا ایسا بھول گئی ہر چال
کیسے حال سناؤں دل کا ہجر سے ہوں بے حال
یار سے جا کر عرض کروں میں نہیں ہے میری مجال
سچو اس کے حضور رہو پر رکھنا خود کو سنبھال

آپے محرم ہویا مہیں دا آپے محرم ہویا شاہ جی
نہ میں یاراں نال یاری لائی نہ میں عشق کمایا شاہ جی
نہ میں وِچ تماشے آئی نہ میں پیسہ چلایا شاہ جی
نہ میں اِتھاں سیندھ گندائی نہ میں کوئی چِت لایا شاہ جی
نہ میں شہ دے کول جو بیٹھی نہ میں سہرا گایا شاہ جی
سچو دا سِر تیں توں صدقے رہبر راز بتایا شاہ جی

کلنگی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تساڈڑے، مِلک تساڈی، کیا جو تخت ہزار
سبھ سیالیں تیں توں صدقے کیتی ہیر نثار
میں ناں کوہجی کملی کالی توں صورت دا سینگار
سچو نمانا در تیڈڑے تے روندا زار و زار

محرم راز بناوہ میرا محرم راز بنایا شاہ جی
نہ یاروں سنگ یاری میری نہ ہی عشق کمایا شاہ جی
نہ میں تماشے میں آئی نہ آگے قدم بڑھایا شاہ جی
نہ ہی بال سنوارے نہ ہی دل دنیا میں لگایا شاہ جی
شاہ کے پاس نہ بیٹھی ہوں نہ میں نے سہرا گایا شاہ جی
سچو کی جاں تجھ پر قربان تو نے بھید بتایا شاہ جی

کلغی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
ملک تمہارے ملک تمہاری کیا ہے تخت ہزار
سب سیالاں تجھ پر صدقے ہو گئی ہیر نثار
میں کوہجی کالی کملی تو صورت کا سنگھار
سچو نمانا در تیرے پر روئے زار و زار

آ مِل میڈی جان، آ مِل، آ مِل، آ مِل بیبا
عشق دیاں گالھیں ہن منصوبے عشق دا کیہڑا امکان
کیہڑا امکان وے بیبا!
اساں نمانیاں تے سوہنا سائیں آ وَ کریں احسان
آ وَ کریں احسان وے بیبا!
عشق تساڈے ڈیکھ جو کیتا توں ہیں سچل سلطان
توں ہیں سچل سلطان وے بیبا

اپنے ویہڑے دا چا غلام کیتوئی

ہوش اساڈا ہکو واری نیناں نال نپتوئی، چا غلام کیتوئی
ہجر گھتیوئی آن یتیماں کیویں دور سٹیوئی، چا غلام کیتوئی
اکھیاں کالیاں لعل شرابی مے دا مٹ پیتوئی، چا غلام کیتوئی
ساہ سر ریدل یار سچل دا لیپے نال لیتوئی، چا غلام کیتوئی

آ بل میری جان، آ بل، آ بل، آ بل پیارے
عشق کے کیا منصوبے ہیں اور اس کا کون مکان
کون مکان لے پیا لے
ہم پر سوہنا دلبر سائیں آؤ، کرو احسان
آؤ کرو احسان لے پیا لے
تیرے عشق نے ہم سے کیا کیا تو ہے سچل سلطان
تو ہے سچل سلطان لے پیا لے

اپنے گھر کا کیا غلام
ہوش تمہارے نیناں لے گئے قصہ ہوا تمام، اپنے گھر کا کیا غلام
ہجر دیا اور کر لیا تو نے اپنا دور مقام، اپنے گھر کا کیا غلام
آنکھیں کالی، لال شرابی پیا ہے جام پہ جام، اپنے گھر کا کیا غلام
سانس کی ڈوری یار سچل کی پہنچی تا انجام، اپنے گھر کا کیا غلام

عشق دی خبر نہ تیکوں ہے برہ دی خبر
جے پچھے اساں کنوں ہے بے زباں زہر
تیکوں نہیں کیتا ہے اچھا برہ بے خبر
سرجان دل سبھائی اگوں دوست ڈر نہ ڈر
نہیں خواب، نہیں آرام، ایہو عشق دا اثر
ڈیندا اوّل نکالی تیکوں سارا شہر
سچل اساڈے کیتے ہودیں روز منتظر

ایہیں سنسار دے وچ یار تماشا ویکھن آیا ہے
رنگاں رنگ وچ یار پیارے، عجب جیہا رنگ لایا ہے
آوڑی سیاں جھمر ماروں، اَج سارا کم سجایا ہے
لکھ لکھ پھیریاں دلبر ڈیندا ناچو ناچ نچایا ہے
بیرنگی ایہیں رنگ دے اندر سچل آپ دلایا ہے

نہ عشق کا تو شناسا نہ ہجر کی ہے خبر
جو ہم سے پوچھو تو اس زہر میں نہیں ہے ضرر
نہیں کہ سوزِ محبت گیا ہے جاں میں اُتر
گذار یار کی خدمت میں جان و دل مت ڈر
نہیں ہے خواب نہ آرام، عشق کا ہے اثر
کہ شہر والوں نے تم کو کیا ہے شہر بدر
اور انتظار کرو تم سچل کا شام و سحر

اس پھیلے سنسار میں یار تماشا دیکھنے آیا ہے
رنگوں کے اس میلے کو کیا یار نے رنگ لگایا ہے
آؤ سکھی ری جھومر ڈالو یہ منظر خوش آیا ہے
دلبر لاکھوں پھیرے دے اور کیسا ناچ نچایا ہے
ان رنگوں میں بےرنگی کو سچل اس نے ملایا ہے

عشق ڈتا احوال جنھاں نوں برہ کیتا بے حال تنھاں نوں
سودا سر دا سور جیہیں کیتا ہویا مُڑن محال تنھاں نوں
ہر دو جہان کوں پٹھی ڈیون ہویا خاص خیال تنھاں نوں
جیہڑے سدھ سبھائی چھوڑن کیتا نینہہ نہال تنھاں نوں
جیہیں کوُں شوق محبوب ملن دا جیون اتھ جنجال تنھاں نوں
سچل سائیں جیہیں نوں ملیا حاصل ہویا حال تنھاں نوں

ہر جا حکم ہلائیں توں یار ، بھلا بھلا
جوگی تھی کر جگ وچ آ کر انگ بھبھوت رمائیں توں
رنگا رنگی ویس جو کر کے پھیرا تھاں چمکائیں توں
جو بن جلوہ کر کے آندئیں آپ بنجیں پنجوائیں توں
نعرہ مار انا الحق والا بر سرِ دار چڑھائیں توں
آپ کوں آپے ڈے کے ڈکھلے سچو ناں سڈائیں توں

عشق دکھائے حال جنہیں، ہجر کرے بے حال انہیں
جنھوں نے سودا سر کا کیا مٹرنا ہوا محال انہیں
دونوں جگ ہی چھوڑ دیئے تیرا خاص خیال انہیں
جو سب کچھ ہی چھوڑ گئے پریم نے کیا نہال انہیں
جن کو شوقِ وصال ہوا جیون ہے جنجال انہیں
سچل سائیں ملا جنہیں کر گیا صاحبِ حال انہیں

ہر جا پر تو اپنا بھلا بھلا سا حکم چلائے
جوگی بن کر جگ میں آئے انگ بھبھوت رمائے
رنگ برنگے بھیس بدل کر جگ کو تو چمکائے
حسن کا جلوہ آپ کرے خود ناچے اور نچائے
نعرہ مار انا الحق والا تو سُولی پہ چڑھائے
آپ ہی دیکھے روپ اپنے اور کیا کیا تو کہلائے

تیڈیاں چشماں کیتا چُور کہیں کوں آکھاں گالھ ایہیں حال دی
بُلھے شاہ کوں بیراگی کیتونی جیہیں دا شہر قصور
نازنیناں دے نال پیارا سُولی چاڑھیوئی منصور
سرمد نوں لت ڈے کہایوئی ورہ نیستا وَ هلور
شمس الحق دی کھل کھلایوئی مُلکیں وِچ مشہور
قتل تساڈا تنہاں قبولیا جو ہوندے وِچ حضور
سچو حیرت دے وِچ ہوویں بیئے محو کریں مذکور

کڈاں شاہ امیر بنیسندا اہیئں کڈاں پیر فقیر سڈیندا اہیئں
کڈاں آپ وِچ صلح کریندا اہیئں کڈاں آپے نال لڑیندا اہیئں
کڈاں ہوکا سچ پھریندا اہیئں کڈاں سُولی اپر چڑھیندا اہیئں
کڈاں کفر ایمان منیندا اہیئں کڈاں آئت مصحف پڑھیندا اہیئں
کڈاں سچل، حاکم ہوندا اہیئں کڈاں آپے ڈُہل وجیندا اہیئں

کس کو بتاؤں حال کہ تیرے نیناں کر گئے چُور
بیراگی کیا بُلھے شاہ کو جن کا شہر قصُور
ان نینوں کے کارن سُولی پر لٹکا منصُور
سرمد کو بھی تو نے دار پہ وارا اے مغرور
شمس الحق کی کھال کھنچا دی جگ میں ہے مشہور
موت انہیں منظور ہوئی یہ، تھے جو ترے حضور
سچو اس حیرت میں رہنا بھول کے سب مذکور

کہیں شاہ امیر بنے ہو تم کہیں پیر فقیر ہو بن بیٹھے
کبھی کام ہے صلح صفائی کا کبھی خود سے کرتے ہو جھگڑے
اعلان کہیں پر سچ کا ہے کہیں سولی پر ہو لے جاتے
کبھی کفر ایمان کی باتیں ہیں کبھی آیت مصحف ہو پڑھتے
سچل وہ کبھی تو حاکم ہے کبھی گلے میں ڈالے ڈھول پھرے

بول پکھی پردیسیڑا وے توں کیہڑے دیسوں آوندا ایں
مونہہ دِچ مُرلی پیریں گھونگھرو گلی گلی وو دجاوندا ایں
اُٹھوں آیا ہیں پیروں ننگڑا اتھاں پا درد پاوندا ایں
جڈاں توں آیوں ڈھونڈھ محل وِچ تڈاں کیا کجھ کھاوندا ایں
جڈاں توں آیوں مدِ گھر وِچ وعدہ نت بُھل جاوندا ایں
'لالہ' 'موہن' لج نہیں آوندی ذرّہ نہیں شرماوندا ایں
سچو ذات صفات دے اندر سبھوں آپ سماوندا ایں

نیناں دی میں ماری... ماری ہو ہو نیناں دی
عاشق بانہاں بدھ کراہن کھڑا کریندا زاری
میں ایانی، نیونہہ کیا جاناں، برہ چاڑھیو نیں باری
میں نمانی کوں مژگاں والا کیبر ماریونی کاری
سچو آکھ سیاں دے اگوں حال حقیقت ساری

بول رتے پنچھی پردیسی تو کون سے دیس سے آیا ہے
لبوں پہ مُرلی پاؤں میں گھنگھرو گلی گلی کیا گایا ہے
وہاں سے ننگے پاؤں آئے اب کیا ان میں سجایا ہے
دھند محل میں آیا ہے وہاں کیا کیا تو نے کھایا ہے
وہاں سے اس گھر میں آئے تو وعدہ روز بھلایا ہے
لالہ "موہن" شرم نہ آئے تو نہ ذرا شرمایا ہے
سچو ذات صفات کے اندر وہ خود ہی تو سمایا ہے

نینوں کی میں ماری ہائے ہائے نینوں کی میں ماری
باندھ کے ہاتھ کھڑا ہے عاشق کرے ہے نالہ زاری
میں معصوم ہوں عشق نہ جانوں، برہا بوجھ ہے بھاری
مژگاں والے نے بے بس پہ وار کیا ہے کاری
سچو سکھیوں پاس کہہ جا حال حقیقت ساری

کیویں کاغذ کیتنائی کارا ہائے ہائے دے یارا
عالم سارے کوں مسئلے والا سبق پڑھایوئی سارا
کیتوئی مونہہ کتاباں ڈوہوں بھُل گیوں بے چارا
بیاں گالھیں سبھ چھوڑ کراہن دو راہ گھنیں ونجارا
کیہہ کر گالھ الست والی، وِسر گیوئی وے سارا
ورد وظیفے دا راتیں ڈیہناں کریندائیں لکھ شمارا
سچل یار سجن دا ڈیکھو ہے تاں محل مچارا

اُلٹ بازی گر ویکھو عشق دیاں اُلٹیاں بازیاں
برہ دیاں باتاں سُنوسیاں تن من اندر تازیاں
علم حقیقی عاشق جانن، کیا جانن مُلاں قاضیاں
محبت دے میدان وچوں گوئے چاتی کنھاں غازیاں
سچل ہردم در اللہ دے کردا سو لکھ آزیاں

ہائے ہائے کاغذ کیوں کالے کرتا ہے میرے یارا
کُل عالم کو سبق پڑھایا مسئلوں والا سارا
وہ تو کتابوں میں کھویا ہے رستہ بھول بیچارا
سب باتوں کو چھوڑ کے اپنی راہ پہ چل بنجارا
روزِ ازل کو یاد تو کر کیا بھولا عہد وہ سارا
وِرد وظیفے شام و سحر معمول بنے ہیں تمہارا
یار سچل ساجن کا دیکھو اونچا محل منارا

اُلٹا بازی گر ہے دیکھو عشق کی اُلٹی بازی
کتھا برہا کی سُن سُن کر تن من میں لہر ہے تازی
علم حقیقی عاشق جانیں نہ جانیں مُلّا قاضی
گوئے محبت لے گیا اس میدان سے کون سا غازی
سچل ہر دم در اللہ کے کرے ہے عرض نیازی

دم اللہ وسداملکّ ربانی، سُن میاں تاشنی، نہیں دل راشنی، تیں کیہڑا جھگڑا لایا

اوّل عشق اللہ نوں ہویا جنھے رسُولؐ اُپایا

دوجا عشق محُـــمّد نوں جنھے کلمہ پاک پڑھایا

تیجا عشق چونہہ یاراں نوں جنھاں صدق خوب کمایا

ہک دیہاڑے مُرشد مینوں آپ اینویں فرمایا

ایہو طریقہ وحدت والا، سانوں بہوں خوش آیا

کھیڑیاں نال گذارم ڈیہنڑے ہُن ویندی آں رانجھن یار ڈھول

ہیں موئی دی ہن دل شاد ہوئی گھلیا وا اینڈا ادیں یار ڈھول

اس جگ دیاں جایاں چھوڑ کے لے کھڑیاں سچے اقرار ڈھول

توں سیں ہیناں سبھے اِتھ جاتوں دیر نہ لوے دلدار ڈھول

کیتے تائیں اِتھ مہجور ہوسیں آیا پاہندی اصل اسرار ڈھول

بھگے شک سچو دے غیر کنوں دل اپنی اعتبار ڈھول

سُن میاں قاضی، دل نہیں راضی، کیا جھگڑا ہے لایا
اوّل عشق ہوا ہے رب کو جس نے رسولؐ اُپایا
دوئم عشق محمّد کو جس کلمہ پاک پڑھایا
اس کے بعد ان چاروں یاروں نے ہے صدق کمایا
اک دن میرے مُرشد نے مجھ سے ایسے فرمایا
یہی طریقہ وحدت والا، خوش ہو کر اپنایا

دن کھیڑوں سنگ کئی گزارے اب ملوں میں رانجھن یار سے
میں درماندہ شاد ہوئی آئے جھونکے جب اس یار سے
اس جگ میں کیا دل کو لگانا، نہیں چھوٹی میں اس نار سے
اس کا ٹھکانا افضل ہے چلوں چل کے ملوں دلدار سے
ہجر میں کب تک جان کھپاؤں دور رہوں اسرار سے
واقف ہوا اعتبار سے اپنے اور سچو کے اغیار سے

رانجھن چاک سڈایا کہیں نوں کوک سناواں
عبرت وچ ادہیں دے آہس جیہیں تختوں جھنگ پچایا
آدم دا کر جوڑ آئینہ آپ کوں ڈیکھن آیا
آہا شاہ، مخیاوت چاکر ایہو تاں ہُنّر ہلایا
بازیگر ہتی بازی کھیڈے بازی سیل بنایا
ظاہر باطن رسم اوہیں دا کیتُس کو نہ کنایہ
سمجھ سچو ہر ہِک وچ سائیں جیں ڈیکھ تماشا لایا

کہتھ بابُل کِتھ مائی سیوڑی ہِن تاں رانجھن دے لڑ لگیاں
ہِن تاں رانجھن ہِک تھیوسے کھیڑیاں نال جُدائی
بیلے ویساں رانجھو والے چھوڑ بانی شاہی
بئی ہرکائی ماپیو جائی، ہیر عشق دی جائی
سچو آکھے سوز ماہی دا ڈیندا عشق گواہی

کس سے کروں فریاد کہ رانجھن خود چاکر کہلایا
یہ بھی سوچو کیسے تخت ہزارے سے جھنگ آیا
آدم کے شیشے میں دیکھو خود کو دیکھنے آیا
اس کا فن ہے راجہ تھا وہ اور چاکر کہلایا
وہ بازیگر، دنیا کو ہے بازی گاہ بنایا
ظاہر باطن اسم اسی کے کوئی نہیں کنایا
پیجو، سائیں ہر شے میں، پر کیسا کھیل رچایا

میں رانجھے کی ہیر اب کوئی بابل ہے نہ مائی
میں اور رانجھا ایک ہوئے کھیڑوں سے ہوئی جدائی
رانجھن کے سنگ جاؤں گی میں چھوڑ بیانی شاہی
ہر کوئی ماں پیے جایا لیکن ہیر ہے عشق کی جائی
پیجو کہے کہ سوز ماہی کا عشق کی اصل گواہی

نہ جاناں نہ جاناں جوگی کیہے دیسوں آیا
اگے کڈاہاں نہیں سوڈٹھم صورت تاں نہ سنجاناں
کیوں کریندا سُٹونی سیّاں نال میڈے کیہا ماناں
گل وچ کفنی دست پہوڑا آ ڈ یلیندیاں بھاناں
ہیں اد ہوا ای رانجھن آہس تیڈے در تے وکاناں
مہنے طعنے سب لوکاں دے سچو ساہ سیہاناں

کیا تھیوا ای دو کیا تھیوا ای آکھ سیّاں کوں کیا تھیوا ای
راتیں ڈیہناں رودن تیکوں کوئی پُور پریں دا پیوا ای
دوستی دی گالھ وچوں ڈی آکھ تاں کیا ڈٹھیوا ای
اساں سیالیں وچوں باہر نیئی ایں کیا کیتوا ای ٹمی کیا کیتوا ای
نصیحت اساڈی توں نہیں منیندی ایں ہوش ساڈا اُہن گیوا ای
سچو پریں دے پار کنوں ساکوں ایہا سیتہا عشق آیوا ای

جوگی کون سے دیس سے آیا میں نے یہ نہ جانا
پہلے کب دیکھا تھا اس کو میں نے نہیں پہچانا
مان کرے کیوں مجھ پر سکھیو، مجھ کو یہ سمجھانا
گلے میں کفنی ہاتھ میں پھوڑا اس نے کس کو پانا
میں وہی رانجھن جس کا نصیبہ در تیرے بک جانا
بول سنے وہ مشکل ہو گیا سانس کا آنا جانا

کیا گذری ہے تجھ پر اپنی سکھیوں کو ہی بتا
شام و سحر رونے میں گذریں لگا ہے غم تجھے کیا
عشق کے سودے میں ری سکھی کیا تو نے لیا کما
باہر ذات سیال سے نکلی کیا کیا تو نے کیا
بات ہماری کوئی نہ مانی بیٹھی ہوش گنوا
پریت نگر سے ملا سندیسہ عشق ہے تری دوا

رانجھن لے چل اپنے نال
نہیں تاں مرمر جاندیاں وو الا
عشق تساڈے ماریا نعرہ بھنگ سیال بھی چھوڑئم سارا
تخت ہزارے آندی آں وو الا
تیڈے کیتے پھراں اداسی دیس وگا سبھ رنگ سناسی
بہوں بہوں اتھ ماندی آں وو الا
درد فراق جو مینوں ماریا خویش، قبیلہ، وطن وساریا
خون جگر دا کھاندی آں وو الا
توں تاں میڈے دل دا جانی عشق گھتی ہے گل وچ گانی
جوگن بھی کرگاندی آں وو الا
گھت جدائی میکوں نہ ماریں سچو، سائیں توں نہ وساریں
پاندگی وچ پاندی آں وو الا

رانجھن لے چل اپنے ساتھ
نہیں تو جان سے جاتی ہوں ۔ وواللہ

تیرے عشق نے نعرہ مارا   جھنگ سیال بھی چھوڑا سارا
تخت ہزارے آتی ہوں ۔۔۔ وواللہ

تیری خاطر پھروں اداسی   بھیس بدل کر بنوں سناسی
جان کو یہاں کھپاتی ہوں ۔۔۔ وواللہ

دردِ فراق نے مجھ کو مارا   بھولی وطن قبیلہ سارا
خون جگر کا کھاتی ہوں ۔۔۔ وواللہ

تو ہے میرے دل کا جانی   گلے میں تیری پیار نشانی
جوگن بن کر گاتی ہوں ۔۔۔ وواللہ

مجھے جدائی سے نہ مار   سائیں مت بن بھولن ہار
میں فریاد سناتی ہوں ۔۔۔ وواللہ

ساڈے گھر آیا..... آیا سوہنا ، سدا آیا
اپنا وعدہ آپ پالیو نیں اساں تاں درشن پایا
وسر گیو سے فلک ہجر دا گل سجن چا لایا
معاف مدایاں سب کیتو نیں یار سانوں پرچایا
آنگن میڈے ٹر آیا سو یلے مولی محب ملایا
سچل جہیں دا سنگ ہے اصلوں سر میڈے اُوں دا سایہ

پہلے وسدا رانجھو یار اساں نمانیاں نوں اللہ بلیندا
تہیں دے عشق آرام ونجایا گیا سو صبر قرار
ڈونہیں جہانیں وچوں یار سجن دا عشق کیتم اختیار
رانجھن جیہا ہور نہ کوئی بیئے کھیڑے لکھ ہزار
آنگن اساڈے جے رانجھن آوے دل تھیوے باغ بہار
ہے سچو کوں سوہنے باجھوں رووں زارو زار

وہ دلبر وہ جانِ جاناں، گھر میں ہمارے آیا
خوب نبھایا وعدہ اس نے، ہم نے درشن پایا
ہجر کا دشت بھی بھولا جب ساجن نے گلے لگایا
سارے معاف گناہ کیئے اور دل میرا بہلایا
آئے تڑکے آنگن میں مولا نے محب ملایا
سچل میں سگ جس در کا اس کا میرے سر سایہ

رب سے آپ ملائے ہم کو ملے جو رانجھو یار
عشق تھا، آرام بھی لے گیا، لے گیا صبر قرار
دونوں جہان سے چنا ہے ہم نے تیرا عشق اے یار
رانجھن کا نہیں ثانی کوئی، کھیڑے لاکھ ہزار
رانجھن آئے گھر میرے جو، دل ہو باغ بہار
لیکن وہ نہ ملے تو سمجھو رونا زار قطار

جڈاں سمجھ پئی ہے دل کوں تاں ایہہ جگ سارا ہیں اِی
جھنگ سیال بھی سیراساڈا تخت ہزارا ہیں اِی
ہر کہیں طرفیں ویکھ ونجایا عشق نغارا ہیں اِی
محبت دے میدان دے اندر ماریا نعرہ ہیں اِی
دل وچ دھماں عشق مچایاں نت چمکارہ ہیں اِی
ڈوہاں جہاناں دے وچ سچو ہاں بےچارہ ہیں اِی

سوہنے نال اساڈیاں اکھیاں اڑکن ہو اڑکن
غمزے رمزے یار سجن دے کڑکن ہو کڑکن
در تیڈے کنوں عاشق شودے پھڑکن ہو پھڑکن
سوز تیڈے کنوں برہے والے پھڑکن ہو پھڑکن
عشاقاں دے سِر سولی تے لڑکن ہو لڑکن
برہا دیاں بھاہیں سچل دل وچ بھڑکن ہو بھڑکن

جان لیا جب دل نے تب سے یہ جگ سارا میں ہوں
جھنگ سیال بھی شہر ہے میرا تخت ہزارا میں ہوں
چاروں کھونٹ میں دیکھ بجایا، عشق نقارہ میں نے
منزلِ عشق پہ جا پہنچا تو نعرہ مارا میں نے
دل میں عشق نے دھوم مچائی نت چمکارہ میں ہوں
دونوں جہاں میں سچو لیکن اِک بے چارہ میں ہوں

سوہنے سنگ ہماری آنکھیں اڑکیں ہو اڑکیں
یار سجن کے عشوے غمزے کڑکیں ہو کڑکیں
تیرے در پہ ہجر کے مارے پھڑکیں ہو پھڑکیں
ہجر کے سوز سے تیرے عاشق دھڑکیں ہو دھڑکیں
عاشقوں کے سر سولی اوپر لٹکیں ہو لٹکیں
سچل ہجر کے شعلے دل میں بھڑکیں ہو بھڑکیں

نیناں دی عجب نگاہ دل ول ہوندیاں ہادی دے نال
ہاڈی سانوں سِرّا یہیں دی ایہا ڈکھائی راہ
اِتھاں پھیریاں ڈے کر رہیاں آپ لہاں ہر گاہ
کِتلے تائیں نظر نہ آیا بن اللہ آگاہ
اکھیاں دے وچ سب کجھ آہا متاں تھیویں گمراہ
سچل تیتوں رمز ڈکھالی، ہادی تھیا ہمراہ

اوہی اندر اوہی باہر اوہی آہا مُو بمُو
ہر کہیں جا ظہور تہیں دا ہر کہیں کوچے سُو بسُو
آپ پھریندا لکھیں لباساں ہر کہیں خانے خُو بخُو
اوہی روندا، اوہی ہسدا صاحب سوائی ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُم ایہا بشارت جانب وسدا جُو بجُو
آپ کنوں کڈاں خیال نہ باہر سچل بہندا رو برو

نین نہ بھولیں اس کا نظارہ واہ ہادی کی نگاہ
مرشد نے یہی راز بتایا ' یہی دکھائی راہ
جو بھی جگ میں کیا ہے اس پہ ہوگی آہ یا واہ
بن اللہ کوئی نظر نہ آیا ' جس کو کہیں آگاہ
آنکھیں سب کچھ جان گئی ہیں مست ہو نا گمراہ
راز کی بات بتا دی سچل مرشد تھا ہمراہ

اندر وہ ہے باہر وہ ہے وہ ہے میرے مُو بمُو
ہر جا جلوہ اس کا ہے ہر کوچے ہیں اور سُو بسُو
لاکھوں اس کے بھیس ہوئے ہر اِک لیکن خُو بخُو
وہ روئے اور وہی ہنسے ہے صاحب سارا ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُمْ ' ہوئی بشارت وہ رہتا ہے جُو بجُو
سچل اس کا دھیان ہے ہر دم وہ بیٹھا ہے رُو برُو

نور بھریا رُخ پیارے دا اکلا پیارے دا دلدارے دا
میں نمانی ہیر جٹی توں صاحب تخت ہزارے دا
سوہنا مینوں اینویں بھاندا جیویں گل ہزارے دا
وڈڑے ویلے جو شاہ ملیا تھیا سبب ستارے دا
مستاں نوں سرمست جو کیتوا ای سچو کون بچارے دا

رانجھن نوں پرچائیں کھیڑا رُٹھا تاں گھولیا وو
میں رانجھن دی رانجھن میڈا کھیڑا کون بلائیں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا رانجھن سر دا سائیں
نال رانجھن دے کیوں نہ چراواں مجھیاں کیٹیاں گائیں
ساہ سچو دا سوہنل کیتے منگدے بہوں دعائیں

رانجھو کھیڑا ڈوہیں میں ہاں ہیر رہی وچ کتھے کتھے
جھنگ سیال تے تخت ہزارا ڈوہیں ڈٹھم اتھے ایتھے

دلدار کا میرے پیارے کا، رُخ نور منور پیارے کا
میں عاجز جٹی ہیر اور تو ہے صاحب تخت ہزارے کا
مجھے یار سجن یوں لگتا ہے جیسے ہو پھول ہزارے کا
جو نورِ سحر میں شاہ مِلا، تھا کام وہ صرف نظارے کا
جہاں مست ہوئے سرمست وہاں کیا حال ہو ایسے چارے کا

کھیڑا روٹھا، صدقے کروں میں رانجھن کو پرچائیں
میں رانجھن کی رانجھن میرا کھیڑے کون بلائیں
لوک کہیں لے چاک مہیں کا میرے سر کا سائیں
سنگ رانجھن کے کیوں نہ چراؤں مجھیاں، کٹیاں گائیں
سچکل اس کے دم سے دم ہے مانگوں بہت دعائیں

رانجھو کھیڑا دونوں ایک تھے رہ گئی ہیر سیال کہاں
جھنگ سیال اور تخت ہزارہ دونوں دیکھے ایک جہاں

اساں بیوسے ونج اتھائیں ناں نہ کہیں دا تِتھے تِتھے
گم ہوئی بھی ہیرا اتھائیں موج وڈھی آہی بِتھے بِتھے
پچو صاحب ہکو آہا وال نہ کائی وِتھے وِتھے

چھوڑ بیانی شاہی دویں وطن رانجھو دے ولیاں
ہٹکے ہوڑے بابل بھائی متاں ڈیوے سانوں مائی
ست کھیڑے نِھیساں راہی وو
سبھ سہیلیاں رِل کر آندیاں تھی ایلازی پلو گل پاندیاں
گھن متیاں تھی ڈاہی وو
اوراں دے نال ماہی کیویں متھاں طرف رانجھو دے لکھ بیاں چٹھاں
گھن کے قلم سیاہی وو
پچو دی دل تھی اداسی بے وس ہو کے پھرے سنیاسی
اصل کنوں اینویں آہی وو

جا کے بسے پھر اس کے دوارے جہاں نہ نام نہ کوئی نشاں
وہیں پہ ہیر تمام ہوئی تھی ڈوب گئی تھی موج جہاں
سچو، صاحب تو یکتا تھا رہا نہ فرق فراق وہاں

رانجھو سنگ میں جاؤں گی ہاں چھوڑ بہانی شاہی وہ
روکیں ٹوکیں بابل بھائی اور سمجھائے ہم کو مائی
چھوڑ کے کھیڑے ہوں گی راہی وہ
سب سہیلیاں مل کر آئیں گلے میں پلو ڈال سنائیں
چھوڑ دے راہ اس میں ہے تباہی وہ
ان سنگ ماہی کیوں جانے دوں رانجھے کو پھر چٹھیاں بھیجوں
قلم پکڑ کر لے کے سیاہی وہ
سچو کے دل میں ہے اداسی بے بس ہو کر پھرے سنیاسی
وہ تو ازل سے تھا ایسا ہی وہ

میں تاں پھردی وتدی آں تیڈڑے نال
توں تاں تخت ہزارے دا سائیں میں تاں ہیر سیال
پائے رکاب تساڈی ہوساں، جیہے تیہے حال
توں تاں بے پرواہ جلیندا ایں ساڈی جوشاں دے وچ جال
اپنے درد دا دلبر سائیں سچو سنگ سنبھال

دولہن سائیں نہیں دلیاں کنوں دور، وو رانجھن سائیں
لوں لوں دے وچ ماہی وسدا نیناں دے وی حضور
ہردم حاضر ناظر ہیں ای یک موفرق نہ مور
ڈس ایہو ای ہادی والا نورؐ علیؑ نورؐ
بات برہ دی آکھن مشکل، سچو رہنا صبور

میں ماہی دی مشتاقی وسدا دل وچ دلبر جانی
برہ دے غمزے سو تیلں ہزاریں گھیتو ای مارا خوانی

میں تیرے سنگ گھوم رہی ہوں گھومتی ہوں ہر حال
تخت ہزارے کا تو سائیں میں ہوں ہیر سیال
تیرے سنگ رہوں گی میں تو بُرے بھلے ہر حال
بے پرواہ تو، میرے چاروں اور ہے دُکھ دھمال
تیرے در کا کتا پچل سائیں اسے سنبھال

دولہا سائیں، رانجھن سائیں، دل سے نہیں تو دُور
روم روم میں رہتا ہے اور نینوں کے بھی حضور
ہر دم حاضر ناظر دیکھوں یک مُو تو نہیں دور
یہی تو دم ہے مرشد والا، نورٌ علےٰ نور
بات برہا کی کہنا مشکل پچو رہ صبور

دل میں بسے ہے دلبر جانی میں ماہی مستانی
بے حد دکھ برہا کے مجھ کو مار گئے اخوانی

عاشق ہوویں تاں سر ڈیویں گا لھ ہیئ مردانی
دائم دل وچ پاویں جھاتی، رمزلیئں روحانی
جان سچو بن عشق رانجھن دے ڈوجھی سبھ نادانی

روح رانجھو دے رمزاں لُٹیا کھیڑے کنوں بیزاریاں
ماہی دے مہنے جھولی جھلم چنا تم سبھ خواریاں
میں تاں رہ گئی کول اوہیں دے محبت دی متاریاں
ہوواں کنیزک، ہاتھواں بدھ کر، پا پلو کراں زاریاں
آتن وچوں طعنے ڈیون بڈھیاں توڑے کنواریاں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا میں تاں صدقے واریاں
لیسی گل اوہو جیں دے کارن وچ غماں دے گذاریاں
ساڈگھتاں پچھے چرخے کوں میں تاڑیاں مُنیاں اُڈاریاں
سچو چھوڑ گیاں سبھ سیائیں رانجھو پچھے میں قطاریاں

عاشق ہو تو سر دے دینا بات ہے یہ مردانی
دائم دیکھو شیشۂ دل ہے رمز اس میں روحانی
سچو عشق ہے رانجھن کا اور باقی سب نادانی

روح میری رانجھے پہ فدا ہے کھیڑوں سے بے زاری
میں جھولی میں ڈال رہی ہوں سب طعنے سب خواری
رہ گئی اس کے ساتھ ہی میں تو پیار نے وہ مت ماری
باندی بن کر گلے میں پلو، کرتی پھروں میں زاری
چرخہ کاتوں طعنے دیں کیا، پیسہ ہے اور کنواری
دنیا جانے چاکر اس کو، میں اس پہ ہوں واری
آ سینے سے لگائے گا وہ، جس کے غم میں گذاری
راکھ کر دوں چرخے کو جلا کر منیاں اور اڈاری
چھوڑ گئی ہیں سبھی سیالیں میں رانجھو راہ قطاری

چھوڑ کے جھنگ سیال وے رانجھو ویندا رمز رلائی
پار دریاویں جھوک رانجھن دی، رانجھو مجھیں دا مہینوال وے۔ ویندا اوک چھپائی
سانوں جوگی جادو لایا ، ویکھ مرلی دی تال وے۔ ویندا مونہہ چلائی
اکھیاں سوہنے دیاں بلن مشالاں، جھلکن ہٹویں ڈال وے۔ چیٹے اندر عشق سمائی
سچو سچ کھیڑیاں دی آئی، کھیڑیاں کنوں بھی خیال وے، مولا محب ملائی

جھنگ سدا خوش ہوسوں سوہنیاں دے نال
نال سائیں دے، سوہنا سائیں ودق وچھوڑے دا وال
حیرت دے وچ پے گئے ویکھ چاکاں دی چال
اوڑے باڑے چری آکھن پے گئی اے کیہڑے خیال
عمر بھائی یار سچو دی برہا کیتس برحال

تخت ہزارہ چھوڑ چھوڑ آیا ماہی میڈے سانگے
اکاں لیکھے چاک مجھیں دا، میڈے لیکھے حق توڑ آیا

رانجھن رمزیں نئی سجھائے چھوڑ کے جھنگ سیال، رمزیں نئی سجھائے
پار ندی کے جھوک ہے اس کی بنا ہے وہ مہینوال، لوگوں سے چھپ جائے
ہم پہ جادو کر گئی اس کی مُرلی کی ہر تال، ایسی تان اڑائے
زلف اڑتی ہے آنکھیں جیسے روشن کوئی مشال، چوٹ پیار کی کھائے
کھیڑوں کی بارات ہے آئی، سچو کرو خیال، مولا یار ملائے

سدا رہوں خوش جھنگ، اگر جاناں سے ہے شریک حال
نامِ خدا وہ ورق جدائی کا کر دو پامال
ہم حیرت میں ڈوب گئے چاکوں کی دیکھ کے چال
ایرے غیرے کہیں دیوانی، کس کا اسے خیال
ساری عمر تو یار سچل برہا نے کیا بے حال

دلبر میری خاطر اپنا تخت ہزارہ چھوڑ آیا
لوگ کہیں اسے چاکر، میرا حق سے رشتہ جوڑ آیا

تخت ہزارے دا جوگی آیا، بیاں کنوں مونہہ موڑ آیا
اساں تے ایتھا ہک تھیوے ذات کھیڑیاں دی بوڑ آیا

رانجھن ویہڑے آیا ہے ہل پیا وچ کل سیالیں
گل وچ کفنی، ہتھ پھوڑا تیں کیا بھیکھ بنایا ہے
جیڈے تیڈے رانجھن سائیں کھیڑا کہیں کھڑایا ہے
ایڈوں اوڈوں سیاں آکھن چوچک چاک بنایا ہے
صورت دے وچ سچو سائیں آ کے آپ سمایا ہے

بھلا جانی کیہیاں کیہیاں تیں سانوں تاہنگاں لائیاں
ہک بنے پچھوں حسن دیاں فوجاں ویکھو چڑھ چڑھ آئیاں
آون دیاں وت دیس اساڈے نھیاں سوہنے دیاں دایاں
وڈڑے ویلے ولیاں اُتھائیں جتھے سوہنے دیاں جایاں
ہر ہر عشاقاں نوں تساں سچل برہ پڑھائیاں

جوگی تخت ہزارے کا سب اپنوں سے منہ موڑ آیا
ہیر اور رانجھو ایک ہوئے کھیڑوں کی آن کو توڑ آیا

شور مچا ہے جھنگ میں، رانجھن ہیر کے گھر میں آیا ہے
گلے میں کفنی، ہاتھ عصا یہ کیسا بھیس بنایا ہے
چاروں اور میں رانجھن دیکھوں کھیڑا نظر نہ آیا ہے
سکھیاں بولیں، پچو چک نے رانجھن کو بہکایا ہے
پچو رانجھے کی صورت میں صاحب آپ سمایا ہے

جانی پیارے تو نے کیا کیا دل میں آس جگائی
موج کے پیچھے موج ہو جیسے، حسن کی فوج ہے آئی
اپنے دیس میں اس کے آنے کی پھر خبر ہے آئی
صبح کو میں وہاں جاؤں گی جہاں اس نے جوت جگائی
تو نے سب عشاق کو سچل، ہجر کتاب پڑھائی

ہُن کیوں کیتی ہئی بے پرواہی
عشق تاں تیڈے صبر دساریا خونی خنجر بھر کے ماریا
شاہد سارا جگ الاہی
آپ کنوں چا دور کیتو ئی دل اساڈی چا چور کیتو ئی
من تیڈے وِچ اصل دی آہی
دامن تیڈڑے آمیں پئی آں ہوش عقل کولوں ہن ہیں گئی آں
بخش گناہ اساکوں ماہی
در تیڈے تے لکھیں سوالی گل وِچ پہریم پہرن والی
سچو جیہے تیڈے لکھیں سپاہی

یار دے پاروں آئے، آئے ڈاہڈے ڈور اپے
اِنھاں عتاباں سنوری سیاں عشق دے وِچ مچائے

کیوں کی ہے بے پرواہی
تیرے عشق نے صبر گنوایا خونی خنجر دل میں مارا
شاہد سب جگ ہے الٰہی
ہم سے خود کو دور کیا، دل یہ چکنا چور کیا
تیرے اصل کی دل تھے گواہی
تیرے دامن آن لگی عقل سے کوسوں دور ہوئی
اب بخش دے میرے ماہی
تیرے در پر لاکھ سوالی پہنے ہوئے ہیں پہرن والی
ترے سچو سے لاکھ سپاہی

یار کی خاطر کیسے کیسے طوفان ہم پر آئے
ان طوفانوں نے ہی عشق کے شعلے آ بھڑکائے

خاطی دے ہتھوں آن مُٹھیونیں جیں سبھ حال سنائے
نال سنن دے مونجھ دی پیوسے برہے بوڑ بچھائے
اوہیں ڈیہاڑے سچل نمانے انگ بھبھوت رمائے

لائی کیوں دل لائی تساں پردیسی نال
نال تیڈے ہیں اصلوں لائی ہٹھیوں نہ توں دُکھی بھائی
یار مسافر چوٹک لائی مت تیکوں کیہی آئی
آون جاون دی سُدھ ناہیں دلبر دل گیا چائی
الٹ پلٹ دی گالھ ہے سچل سمجھ ایہا توں وائی

اساں یتیماں نوں کیویں وساریوا ای
تیڈے ڈیکھن کیتے بہوں سکدی آں
کنھوں کوکاں، کنھوں آکھاں سیف ہجر نال ماریوا ای
دکھ ڈوراپے تیکوں ڈیساں جئیں دم نال گذاریوا ای
یار سچل تیکوں مُکھ وکھلایا جیہیں کوں روز پکاریوا ای

قاصد نے سب سخن تمہارے ہم کو آن سنائے
حال سنا تو کتنے گہرے زخم اس دل پر آئے
اس دن سے سچل پھرتا ہے انگ بھبوت رمائے

آنکھ لگائی پردیسی سنگ کیونکر آنکھ لگائی
دُکھی نہ ہونا میں نے تو بس عشق کیا ہے بھائی
یار مسافر کر گیا وار اور سمجھ نہ تجھ کو آئی
سدھ بُدھ بھولی جاتے یار کی جھلک نظر نہ آئی
الٹ پلٹ کی بات سچل ہے، سمجھ لے تو نے پائی

ایک تمنا دید کی تھی پوری بھی نہ کی اور یار گئے
کس سے کروں فریاد وہ مجھ کو ہجر کی سیف سے مار گئے
مجھ سے پائے دکھ ان لمحوں جو تم یہاں گذار گئے
سچل کب دکھلائے گا منہ جس کو ہم تو پکار گئے

تیڈیاں اکھیاں لعلوں لال شوقی یار شرابی جھوندیاں
بانہاں بدھ کر دور کھڑ دوں کیتی ڈیکھ کلال،
ڈیکھ پتنگ پرواز کریندے تیڈا مکھ مثال
دلیاں والے سودے دے وچ ڈو نہیں نین دلال
سچل صفت تمام نہ تھیوے بھیردی آں بئے تاں خیال

تخت ہزارے دا شاہ میاں رانجھا دامن تیڈے لگی ہاں
جوگی تھی کر بھیرے سیلانی رہندلبے پرواہ میاں رانجھا
تیڈے باہجوں نال کھیڑیاں دے نہیں سوہیندا شاہ میاں رانجھا
نال کرم دے، دید مہر دی ہیں توں مول نہ لاہ میاں رانجھا
نام اللہ دے آپ سنجانیں سنگ سچو دا نیاہ میاں رانجھا

تیں تے میڈڑی جان رانجھا دو تیں تے میڈڑی جان
عشاقاں توں دل کیوں چاتیوئی، عالم وچ گمان

یار شراب سے آنکھیں تیری لعلوں سے بھی لال
کیف ایسا کہ باندھ کے ہاتھ کھڑے ہیں دور کلال
تیری مکھ مشعل کو دیکھ کے پروانے بے حال
دل کے سودے میں تو دونوں نین بنے دلال
سچل صفت کریں کیا اس کی، دے نہ ساتھ خیال

تیرا دامن پکڑا ہے اے تخت ہزارے کے شاہ میاں رانجھا
جوگی ہے، بیلاتی ہے نہیں اسے کوئی پرواہ میاں رانجھا
تجھ بن کھیڑوں کے سنگ میرا ممکن نہیں نباہ میاں رانجھا
مجھ پہ کرم کر، مجھ کو عنایت مہر کی ایک نگاہ میاں رانجھا
نام خدا پہچان مجھے ہاں سچل سے بھی نباہ میاں رانجھا

تو میری ہے جان رانجھا تو میری ہے جان
منہ عاشق سے کیوں پھیرا دنیا کو ہے شک گمان

جاندا ہیں توں ہیں تاں تیڈے قدماں توں قربان
راتی ڈیہناں دلڑی اساڈی درد کیتی دیوان
عشق تیڈے کنوں یار سچو دی ہوئی جند حیران

سانوں متیاں بہن دیاں نہ ڈیلو ویں تاں جھوک ہا دی جاندی آں
طعنے تہمت یار دے کر کے ہار پگی وچ پاندی آں
ذسیاں انجھو نال ہیں رہساں کھیڑیاں وچوں نہیں جاندی آں
راتیں ڈیہناں یار دیاں گالھیں گلی گلی وچ گاندی آں
سچو رانجھن دل توں بھاندا ہور کہیں کوں نہ بھاندی آں

تو جانے مجھے میں ہوں تیرے قدموں پر قربان
دل کیا ہے ترے ہجر کا قصہ درد کا اِک دیوان
یار سچل تیرے عشق میں میرا جیون ہے حیران

صبر کی مت تلقین کرو میں تو جھوک رانجھو کی جاؤں
طعنوں کے میں ہار پروؤں، اپنے گلے سجاؤں
سکھیو رانجھن سنگ رہوں میں کھیڑے چھوڑ کے جاؤں
آٹھ پہر میں اس کی یاد میں گلی گلی میں گاؤں
سچل مجھ کو رانجھا بھائے نہ ہی غیر کو من میں بساؤں

سی حرفی

الف آگ لگی سانوں عشق والی، قاضی اور گلاں وو ڈسیندا ہیں
ساڈی دل تاں تخت ہزارے ڈھوں مسئلے جوڑ کے آپ سُنیندا ہیں
دنج بڈمر، ملاں منجھ لوہیں، کنوں راہ سچی دو گھسیندا ہیں
منگیں خیر کھیڑیاں دی دو کیہڑی گالھوں انجھو یار اساں توں رُسیندا ہیں

ب بحر برہ دے وو زور رکھیا میڈی ذات سیال سائی لڑھ گئی
کتھے جھنگ تے ننگ ناموس رہیا پچھے چاک دے بیں اجڑ گئی
دل دردمنداں دی جو بھار والی حکماں حکم ساغر نے نال لئی
مہنے ماہی دے سے قبول کیتم، جے کائی تھیونی ہائی سچو سائی تھئی

ت ترک ڈیہاڑے میثاق دے میں تاں رہیاں ذات سیال کنوں
توبہ توبہ تے استغفار کیتم، خوشی نال کھیڑیاں دے خیال کنوں
ہک دم نہ فارغ میں ہوساں، جانی یار رانجھو دے وصال کنوں
ڈوجھی کار نہیں میڈی دل اُتے، سچو یار دی سار سنبھال کنوں

ہمیں آتشِ عشق جلاتی ہے قاضی کیا سخن سناتا ہے
دل تخت ہزارے میں اٹکا، یہ مسئلے اپنے بناتا ہے
مُلّا پہ عذاب ہی نازل ہو، مجھے سچی رہ سے ہٹاتا ہے
کھیڑوں کی چاہے خیر، ہم سے رانجھے کا ساتھ چھڑاتا ہے

یہ سیلِ بلا تھا ہجراں کا ناموسِ سیالاں اس میں گیا
میں چاک کی خاطر اُجڑ گئی نہ جھنگ نہ ننگ ناموس رہا
پُرسوز تھا دل یہ پہلے ہی پھر عشق کا حکم بھی آ پہنچا
سچو جو ہونا تھی ہو کے رہی میں نے ہر ہر طعن قبول کیا

وہ روزِ الست تھا جب میں نے کی ترک یہ ذات سیال اپنی
کھیڑوں سے میں دامن کش گذری ان سے نبھنا تھی محال اپنی
اِک پل کے لئے بھی چھوٹے نہ رانجھو سے راہِ وصال اپنی
سچو بن رانجھن کار نہیں وہی سُر اپنا وہی تال اپنی

ث ثابت ساڈڑی دل ہوئی راتاں ڈینہہ سیّاں رانجھے یار ڈھول
اوہیں دم لاکوں اج توڑی ویکھو میڈا خیال تاں تخت ہزارڈھول
"الستُ بکُم" ڈوہیں بک ہوئے ڈتم گوش اوہیں اقرار ڈھول
بھنا شک گمان سچو دا سارا دل آ ہئی ایہیں اعتبار ڈھول

ج جند چھٹ گئی میڈی جھنگ کنوں ہتھ ڈوگیاں دو سیالیاں جی
لاہاں نال بنگھوڑا دو ساڑدیاں گھتاں اگ دے وچ نہالیاں جی
سبھے جان رہو و دو خیال ایہو ہین چاک دے عشق دیاں چالیاں جی
سچو رکھ سنبھال توں جو ہے نی برہ والیاں گوڑھیاں گالھیاں جی

ح حال تے ہل ہے سیالیاں وچ چوچک کنے کیہا اج چاک کھڑے
غلبہ عشق اوہیں تے کیڈا کیتا نہیں دے جا بجا پھردے پڑھے
سینگی ہیر سیال اساڈی آہی نہیں دے نال ایہیں دے وین اڈے
ڈوہیں سر ناکاہ جو آ ڈیکھو محبت والے سچو کبڑے لڑھے چڑھے

سکھیو مرا دل تو نہال ہوا دن رات ہے من میں رانجھن یار
اس وقت سے لے کر آج تلک دل میں ہے سمایا تخت ہزارہ
پابند ہوں میں نے جو بھی کیا تھا روزِ الست وبلیٰ اقرار
ٹوٹا ہے شک گمان سبھی سچو کا، ہے پکا قول قرار

ہاں جھنگ اور جھنگ سیالوں سے مری جان بچی میں بھر پائی
سامان جلا کر خاک کروں، لگے آگ بہ من میں ہے آئی
اسرار و رموز یہ عشق کے ہیں کچھ تجھ کو بھی ان کی سمجھ آئی
یہ ہجر و فراق کی رمزیں ہیں سچو میں متاع تنہائی

چوچک نے چاک رکھا کیوں کر یہ پوچھ رہے ہیں سیال کھڑے
یہ عشق کا کیسا غلبہ ہے دیکھا ہے جسے ہر رہ میں کھڑے
ہاں ہیر سہیلی اپنی تھی پر نین اس کے کہاں جا کے اڑے
سچو دیکھ محبت والوں کے سر کتنی اوج پہ آج چڑھے

خ خویش قبیلہ دُھل گئے رانجھو نال میڈا ڈاہڈا انجیال پیا
رنگپور کھیڑیاں دے وو شال کوئی سُناں ہیں تاں سگھیڑا کال پیا
تھیون غار سبھے وو غرق اُتھاں کیہا بھیڑیاں داد وبال پیا
اساں یار ماہی ڈوہیں ہک ہوئے ہر ویلے سچو وو وصال پیا

د دل ہک آہی ساڈی یار ڈھول ڈدجی ہووے تاں لوہائیں عام ڈیوال
برہے ذات میڈی ساد ساڑ ڈتی بھٹھ ہک واری ننگ نام ڈیوال
ساڈے طرف اڈائیں دیندا کوئی نہیں جیکوں ترت ولے پیغام ڈیوال
بانہاں بدھ بھول ہیں زاری کراں سچو دوست ڈھول ہیں سلام ڈیوال

ذ ذات سیال ہیں مُنڈھوں نہی کون چوچک؟ تہیں ڈاداج کیہا
جوئی نال ہک یار دے ہک جُڑی تہیں ڈا آکھ قاضی، بیاکاج کیہا
جہیں کوں عشق رانجھو دے کڈھ نیتا تہیں کوں لوڑاں ڈا احتیاج کیہا
دل ہک آہی، ماہی یار نیتی دت کھیڑیاں بھیڑیاں ڈا اووڈاج کیہا

گیا بھول قبیلہ خویش ہمیں رانجھو کا ہر دم خیال رہے
سُنوں خبر کہ رنگپور کھیڑے میں سدا قحط رہے اور کال رہے
ہو جائیں سارے غرق وہاں یا سب کے سر پہ وبال رہے
سچو یار اور میں تو ایک ہوئے دونوں کا سدا وصال رہے

دل ایک تھا نذرِ یار کیا، ہو اور تو اُس کو عام کروں
اس عشق میں ذات گنوا بیٹھی کیا فکرِ ننگ و نام کروں
آئے نہ کوئی جائے نہ کوئی کیا پریت کا یہ پیغام کروں
سچو عرض میں باندھ کے ہاتھ کروں، میں یار کو عرض سلام کروں

نہ ذات سیال رہی میری نہ میں جاوں چوچک راج ہے کیا
میں ساجن کے سنگ ایک ہوئی یہاں قاضی کا بھلا کاج ہے کیا
جیسے اس کا عشق ہی لے کے اُڑا وہ اوروں کی محتاج ہے کیا
دل ایک تھا دے دیا ماہی کو کھیڑوں کو مجھ سے کاج ہے کیا

ر رد رانجھے دے بیں ہور ہیاں کوئی اور نظر نہیں آوندا جی
ندی دے کنارے ڈڑے ڈیلے ونجھلی سوز کنوں وو دجاوندا جی
اللہ آپ جانے ماہی یار مینوں بناں گل کنوں ادھو بھاوندا جی
اوہیں رانجھوا تو ں سچّ صدقے تھیواں انگن اساڈے جڈاں پیر پاوندا جی

ز زور گھتیا برہ باری ڈاہڈا میں مست دیوانڑی ہو رہی
ہُن رنگ بھبھوت جو لاکھڑا دل ہائے دیوانڑی ہو رہی
رانجھو کتھا اساں وت کتھ رہے نینہڑے دی ووٹنانڑی ہو رہی
اوہیں کیتے اداس بیراگ پھراں سچ موںجھ متانڑی ہو رہی

س سبھ سیاں لیں چھوڑ گیاں ڈیکھ ڈیکھ اساڈڑا حال وی
شرم بوڑ دیوانڑی ہو رہی گھدی رانجھو دے عشق کمال وی
راتیں ڈیہاں اوہیں وت چاک ڈھوں کھڑے دم بدم خیال وی
منت ساڈڑی مول نہ گھنسی اوہا ولن پھیوں سچ ہے مجال وی

میں روبرو جو گئی رانجھے کے مجھے اور نظر کیا آتا ہے
وہ ندی کنارے وقتِ سحر کس سوز سے بنسی بجاتا ہے
خود رب جانے کُل جگ اندر مجھے ایک ڈہی تو بھاتا ہے
میں سچو صدقے رانجھو پر جب میرے انگنا آتا ہے

اس ہجر نے زور وہ باندھا ہے میں مست دیوانی ہو کے رہی
وہ رنگ بھبھوت لگا آیا مجھ کو حیرانی ہو کے رہی
وہ اور کہیں میں اور کہیں بس پیار نشانی ہو کے رہی
سچو اس کے لئے بیراگن ہوں غم میں مستانی ہو کے رہی

مجھے ساری سیالیں چھوڑ گئیں یہ دیکھ کے میرا حال ہے کیا
گئی شرم حیا، دیوانی بھئی رانجھو کا عشق کمال ہے کیا
شب و روز اسی میں غلطاں ہیں اس چاک کا حسن خیال ہے کیا
سچو اس کا مرنا محال ہوا سمجھائیں اسے یہ مجال ہے کیا

ش شور تجی عشق مچایا ڈاڈھا جہن عقل والی دو صلاح کیہی
راہ عشق دی سچی تاں میں گھِندی تساں سبھ آکھو ڈوجھی راہ کیہی
رانجھو یار میڈے سِر دا سائیں کھیڑیاں بھیڑیاں ڈے ہوں نگاہ کیہی
پیئیاں باہر ننگ ناموس کنوں ہن آکھ سچو دو پیناہ کیہی

ص صدق ساڈا رانجھو یار ڈھوں نہیں کھیڑے بھیڑے کوں میں لیکھدیاں جی
نظر غیر دی اساں توں ٹٹ گئی جتھ کتھ ماہی نوں سوڈیکھدیاں جی
سو رنگ دے وِچ رنگ لاکھڑا دم دم کرے لکھ بیکھدیاں جی
ہے مٹھیاں گوڑھیاں گالھیاں نی سچو سنیں اساڈے شیخ دیاں جی

ض ضرر کھیڑیاں دا او دو میکوں نہیں رانجھو یار میبنوں گل لا رہیا
سُنو سب سیالیاں لُوں لُوں سبھا جند جان دے وِچ پیچ پا رہیا
کائی غیر دی جا نہ رہندی اُتھاں سدا یاد ہو دو سما رہیا
سچو آپ سارا دو محیط تھیا جتھ کتھ دو جا سبھا رہیا

ہاں عشق کا شور ہے زوروں پر اب عقل کی کوئی صلاح نہیں
ہیں عشق کی راہ پہ چل نکلی کہو باقی کوئی راہ نہیں
رانجھو میرے سر کا سائیں ہے کھیڑوں کی اور نگاہ نہیں
سچو تج بیٹھیں ناموس کو جو اب ان کے لئے تو پناہ نہیں

مرا صدق و صفا تو رانجھا ہے کھیڑوں کی نہیں پرواہ کوئی
کوئی غیر رہا نہ آنکھوں میں اس بن نہ رہا اب شاہ کوئی
رنگ اس کا جدا سو رنگوں میں پل پل اس کا واہ واہ کوئی
سچو اس کی باتیں رمز بھری ہو جیسے سخن کا شاہ کوئی

کھیڑوں سے نہیں کوئی کام مجھے رانجھو نے گلے لگایا ہے
ایک ایک سیالن سن لے اب مرے روم روم میں سمایا ہے
کسی غیر کی جا نہ رہی کوئی مری روح پہ بھی وہ چھایا ہے
سچو مجھ پہ محیط ہوا رانجھو مرے سر پہ اس کا سایا ہے

ط طلب میڈی رانجھو یار ڈھول کھڑا ہوسی ندی دے کنارڑے جی
عشق لاون کیتے ساڈے طرف سیاں آیا کنوں تخت ہزارڑے جی
چھبارا چھوڑ ئیس جھنگ آ کھڑا اساں طالب مفت نظارڑے جی
خواہش آپ بٹیس ڈیکھن سیالیاں دی ساڈا آتل نہیں اختیارڑے جی

ظ ظاہر ساڈڑا عشق تھیا میڈے تے پچھوں سیالیاں دھکی لائی
ڈیکھن آیا اساں نوں جھنگ سارا آکھیں سبھ دیوانی ہوئی جائی
مائی باپ بگھوڑے دے وچ تیکوں دعا پیراں فقیراں توں منگی کائی؟
ایہو حال ہویا وو سیال تیڈا ایجو برہ تسا کوں الٹی پائی

ع عشق دریا کیتی موج کھڑی کندھی ڈسدی اُتے نے کا نہیں
اندر شوق مچایا دو شور ڈاہڈا ایہیں زور جھلن دی جا نہیں
ایہا دل آباد نہ تھیسی کڈاں جہیں دل دے وچ ہا ہا نہیں
میڈا خیال خلاص دو یار ڈھول ہک سینگیاں سچ ساڈے سا نہیں

رانجھو کو بھی طلب مری آئے گا ندی کنارے وہ
اس عشق کی ریت نبھانے کو چھوڑ آیا تخت ہزارے وہ
ہم سائل مفت نظارے کے آ جھنگ میں روپ سنوارے وہ
مرا دخل نہ تھا، آیا تھا سیالوں کے کرنے نظارے وہ

جب ظاہر مرا عشق ہوا سیالوں نے مجھے بدنام کیا
مجھے دیکھنے آیا جھنگ سارا دیوانوں سا جو کام کیا
ماں باپ نے رب سے میرے لئے یہ کیسا طلب انعام کیا
تقدیر میں اُلٹی لکھی تھی بیچو ہیر کا کیا انجام کیا

جو عشق کے دریا سے اٹھی اس موج کی خاص تو شان نہیں
جو غلغلہ اس نے ڈالا ہے اس کی سی کسی کی آن نہیں
جہاں حرکت، ہمت، درد نہیں وہ دل آباد مکان نہیں
مرے خواب و خیال میں اک وہ ہے سکھیوں کا نام نشان نہیں

غ غم لتھا رانجھو یار ملیا پچ کھیڑے بھیڑے بیزار تھئے
اساں دوست ڈیدیں ہن ہک ہوئے کھیڑے سبھ خراب خوار تھئے
ڈیکھن نال ماہی دے وو دل میڈی ڈوجھے نین تاں باغ بہار تھئے
حاصل سبھ مدعا دو اساڈی جوئی سچو خیال میڈا مختار تھئے

ف فاش تھیا راز عشق والا تبو تناناں وچ صحرا لگیاں
چن وچ ادبے کیتے ڈینہہ ہویاں ہن ڈیکھوں تاں جابجا لگیاں
زمیں سر زلیں نہ تھیسی کڈاں باریاں یار وڈے بر پا لگیاں
ہن نینہہ دا مار نقارا اتھاں سچو ویکھ تاں وچ ہوا لگیاں

ق قرب ساڈوں رانجھو یار ڈِتا وچ جھنگ سیالیاں نہ تے بنیاں بھی بھول
راتی ڈیہناں اساڈڑی ہو رہی دم دم ہکا دل چاک ڈھول
عاماں نال پڑدے پاک جائیں کڈاں مول نہ ٹھہرا ٹور ٹھول
قدماں نال سچو سچے یار دے نی اینویں عمر سبھا جوڑا جوڑ رہوں

غم ٹل گیا رانجھو یار ملا کھیڑے ہم سے بیزار ہوئے
ہم دو تھے مِل کر ایک ہوئے کھیڑے سب جگ میں خوار ہوئے
دل خوش ہوا یار کے درشن سے مرے نین یہ باغ بہار ہوئے
مجھے حاصل اور حصول ہوا سچو کیسے کرم مختار ہوئے

جب کھل گیا عشق کا بھید وہاں صحرا میں فصل بہار آئی
پھر عشق کا چرچا عام ہوا ہر چشم ہی مستِ خمار آئی
تھا ہجر کا بارِ گراں لیکن دھرتی یہ بوجھ سہار آئی
سچو اک نعرۂ حق تیرا پھر خلقت دیکھ ہزار آئی

کتنی تھیں سیالیں جھنگ والی پر یار نے ہمیں ہی چاہا ہے
پل پل اس چاک کے نام کیا جیون بھر پیار نبھایا ہے
جو عالم تھے وہ شاد ہوئے مرے رب نے یوں ہی چاہا ہے
سچو رونق یار کے دم سے ہے جیون یہیں کرنا چاہا ہے

ک کار سبھا وو سارڈی عشق چاک دے ہیں مستان کیتی
اور گالھ اساں کنوں چک پئی دل دردڈاہڈے دیوان کیتی
خاطر ڈیکھ ساڈی وو ہزارہ والی ہو ہو اینویں حیران کیتی
قربان اساں سجھنے یار اتوں سچو سا سبھو جند جان کیتی

ل لوک سارے بدنام کیتم ویکھاں یار ڈھوں خوش حال ولی
دل لُٹ نیتی ساڈی چاک سیال ڈوجھے طرف نہیں میڈا خیال ولی
میں گھول گھتاں سر اپنا بھی اُتوں دوست پیارا جھنگ سیال ولی
سچو روز ازل کنوں منگ کھدا ایہو ہادی والا حال ولی

م مست کیتی دل چاک میڈی ہُن گئی آں شرم حیا کنوں
رانجھو ہک ہووے شالاہاں اُتے میںوں توبہ سیالاں دسا کنوں
آپے بھج گیاں ہکو جیڈیاں نی ڈاہڈے عشق دے تکھے تا کنوں
ڈیکھ حال ساڈا سبھ حیران ہیاں سچو پاسا کرن نیہہ دے ناں کنوں

سب دھندے مجھ کو بھول گئے اس عشق میں میں مستانی ہوں
سب باتیں چھوٹ گئیں مجھ سے دل کے ہاتھوں دیوانی ہوں
اس تخت ہزارے والے کے طعنوں سے میں حیرانی ہوں
سچو اس یار کے سر صدقے میں سرتاپا قربانی ہوں

لوگوں نے کیا بدنام بہت پر میں اسے دیکھ نہال ہوئی
اس چاک نے لوٹ لیا ہے دل میں اس کے خواب و خیال ہوئی
اس پر مری جان و دل صدقے، قربان یہ جھنگ سیال ہوئی
سچو روزِ ازل سے مانگا تھا میں ہادی والے حال ہوئی

دل چاک نے ایسا مست کیا اب شرم و حیا سے کام نہیں
اک رانجھو میرے ساتھ رہے مجھے اپنے قبیلہ سے کام نہیں
ہمعمر تھیں جو سب بھاگ گئیں انہیں عشق ادا سے کام نہیں
حیران تھیں میری حالت پر انہیں نام وفا سے کام نہیں

ن نال گھن تاں یار دے نی ہوواں جان جسم وچ ہیں تا دوڑی
ہکے رانجھو باہجوں بئے لوک کنوں اساں دوستی والی بھگا لھ توڑی
بابل، مائی، بھائی بیزار تھیون اینویں آکھ گئے "اساں ایہا جھوڑی"
سچو محمد شکر ہزار کیتیم، چاک نال اساں وچ محبت جوڑی

و والگی کائی وحدت والی تہیں سبھ گالھیں وسار ڈتیاں
جیہڑیاں حرص ہوا ہوس والیاں باتاں سیف "لا" دی مار ڈتیاں
جو گالھیں حق الحق آکھیاں اُتے دل دے جما اعتبار ڈتیاں
باطل والیاں اشارتاں مرشد سائیں سچو ویکھ تیکوں اظہار ڈتیاں

ہ ہوش سا ڈا رانجھو یار ڈھوں بئے لوک کنوں بے ہوش تھیاں
طعنے ڈیون لکھ ہزار میکوں طرفوں چاک دے ڈیکھو سبھ سیاں
جھل پل کیتی وو سیالیاں دی میڈے دراُتے کیڈیاں دھماپیاں
پردہ توڑ بیس میں باہر اینویں سچو یار میں تاں ہن وسوں گیاں

اس نام میں کیسا جادو ہے وہ نام جپوں تو جی جاؤں
ہے ترکِ تعلق اب سب سے اک رشتہ رانجھے کا پاؤں
کیا بابل، میا، بھائی ہیں میں چاک کے جوڑے جُڑ جاؤں
صد شکر سچؔو اس ذات کا ہے جس در سے فیض اس کا پاؤں

ہر بات بھلا ڈالی اس نے کیسی یہ ہوائے وحدت ہے
یہ الا اللہ کی سیف جسے سب حرص و ہوا سے نفرت ہے
جو باتیں حق الحق کی ہیں ان سے مرے دل کو ہمت ہے
سچؔو رمز ہے مرشد سائیں کی، باطل کے فنا کی علت ہے

ہمیں ہوش رہا اک رانجھو کا کسی اور کا کوئی دھیان نہیں
سکھیوں کے لاکھوں بول سہے جز چاک مرا ایمان نہیں
یلغار سیالوں کی مجھ پر تھی، منزل یہ آسان نہیں
دنیا سے پردہ چھوڑ دیا اب کوئی عذابِ جان نہیں

ی یار رانجھو جڈے کڈے ہویا ہر جا وچے ہک جا نہیں
ڈوجھی راہ رنگیلی تہیں نوں جائیں ہادی آپ آکھیا اور کا نہیں
آپ چھوڑتے خود خدا رہیں اور بات اساکوں بھا نہیں
سچو سمجھ نہ لائق رکھیں ایہا عشق والی سر و پا نہیں

رانجھو یار نے کیا کیا راہ دیکھی اس راہ بناں کوئی راہ نہیں
مرشد نے کہا کہیں اور گئے تو تم سا کوئی گمراہ نہیں
تم آپ خدا بن کر بیٹھو یہ ڈھنگ تو خاطر خواہ نہیں
سچو ایسے عشق سے باز آنا یہ راہ تو کوئی راہ نہیں

الف آمیڈی دل چا نیستی جی جا نہیں ہا ہا میاں
اٹکا اکھیں، دکھ لاگیوں، پھر آ کے کجھ الا میاں
کائی دا گھلی سیاں سا چھوڑیا طعنے ڈیون وا دا میاں

ب بس سیاں کنوں رس نہیں، روح وس نہ میڈے وس میاں
جیڑا جس نہیں پر وس پیاں خاطر کس گیوں کیوں نس میاں
ہیں کس بیاں دے ڈس نہیں، لگی کس نہ کائی جس میاں

ت تات تیڈی، وائی وات میکوں، تھیویں ساتھ نہ ڈیکھیں ذات میاں
سُن بات سوہنا، ہیہات ہوئی، ڈیہاں رات آویں پربھات میاں
تسلات ڈیویں، مصلات کائی، میکوں درد لائیو ای بھاتوں بھات میاں

ث ثابت سار سنبھار تیڈی اندر عشق کیتا انطار میاں
کئی لکھ ہزار دو یار تیڈے بیکیتے روون زار و زار میاں
تیڈی تار لگی دلدار میٔنوں، ہک واری بے اختیار میاں

الف آ کے لے گیا دل میرا نہیں شور کی اب تو جا میاں
لڑے نین اور غم سوغات ملی کوئی بات بھی آن سنا میاں
سنگ چھوڑ گئیں، طعنے دیں سکھیاں کیسی چلی ہے عجب ہوا میاں

پر لطف نہ سخن سہیلیوں کا، نہیں روح پہ میرا بس میاں
من چین نہیں کیوں چھوڑ گئے غیر دل میں ہوں بے بس میاں
کیا ترک جو سنگ تھا سکھیوں کا اس سنگ میں بھی نہیں حس میاں

ترے عشق کا چرچا عام ہوا، دو سانجھ نہ پوچھو ذات میاں
اسی ذکر میں کٹ گیا دن سارا ہوئی رات سے پھر پربھات میاں
مرے سوہنے سجن مرا ہاتھ پکڑ، غم دے گیا ہے بہا بھات نت میاں

ترا حسن نظر مجھے جاں بخشے، ترے عشق نے کیا نزار میاں
ترے ہجر میں گریہ کناں دیکھے تیرے چاہنے والے ہزار میاں
مجھے بے بس کر کے مار گئی، یہ تیری لگن دلدار میاں

ج جال میڈے توں نال سوہنا برحال تھیویں توں بحال میاں
ورق وال وچھوڑے دا، گالھ سنیں، اپنا آپ کریں بحال میاں
پیا وچ جنجال دے حال میڈا، بئی کیہی کراں قیل قال میاں

ح حال خیال دی تیکوں آگہ دل کیوں نہ لیں وسنبھال میاں
سن سوال ساڈا کریں بحال بھلا، تھیسے سکدیاں میں نوں سال میاں
رد لال کیتم اکھاں خیال تیڈے، کیتا برہ تیڈے بے تال میاں

خ خواب گیا کنوں تات تیڈی، کیتا برہ سانوں بے تاب میاں
توں شتاب آویں، ڈیویں آب میکوں سائیں کھول نقاب حجاب میاں
تیڈے نینہہ نواب، کباب کیتم، کوئی نہیں عتاب خطاب میاں

د دم داندا نہیں غم کنوں، ہڈ چم دا سیا تیڈے واہ سائیں
ہمدم تھی گھتیں نہ خم اتھاں، سارا کم میڈے در جوڑ جائیں
چاویں چم نہ بھی میں طالب تم، نہیں کوئی شرم، عاشق گل لائیں

اب شرط ہے ساتھ نبھانے کی اے صاحبِ جاہ و جلال میاں
کر پاک اوراقِ ہجراں سے یہ میری کتابِ حال میاں
ہیں قیل و قال سے گذر چکی، کچھ پڑا ہے وہ جنجال میاں

آگاہ ہے میرے حال سے تو لیتا نہیں مجھ کو سنبھال میاں
اب مان سوال اس عاجز کا کئی رو رو گذرے سال میاں
رو رو کر آنکھیں لال ہوئیں بے سُر ہوئی ہیں بے تال میاں

ترے دھیان میں نیند بھی خواب ہوئی ترے ہجر میں ہوں بے تاب میاں
دے آبِ وصال شتابی سے اور کھول یہ بندِ نقاب میاں
ترے ہجر میں میں تو کباب ہوئی، نہیں کوئی بھی حدِ عتاب میاں

کوئی سانس نہیں غم سے خالی، تن داغ ہوا تری فرقت میں
ہمدم ہے تو مجھ سے دور نہ رہ کر شامل وصل کی عشرت میں
بوسہ نہ سہی سینے سے لگا، نہیں شرم کی بات محبت میں

ذ ذوق تیڈا سانوں شوق لگا، طعنہ لوک ڈیوے نت چوک میاں
نینہڑے لوک لگی محبت موک لاتنواوراں پھوک لاون سانوں ٹوک میاں
تیڈا طوق گھتیم گل بانہہ پیوالا سوہنا سوز کیتا سانوں سوک میاں

ر راہ کھڑا اڑداح نیڈے چت چاتی سنجھ صبــــاح میاں
واہ واہ سنبھال توں آہ کنوں میڈے نال سوالاں دی پیا میاں
پنڈیا تھیا تیں ماہ کیتے میڈی دل دی بھی آگاہ میاں

ز زار روواں تیں یار کیتے تھیوے کار نہ کائی نروار میاں
ڈوں چار بیئے دلدار نیکوں جی جار پیــا دلدار میاں
گفتار سناں بک وار تیڈی تھیوے دل تاں باغ بہار میاں

س ساری آکھاں گل یاری والی تیں نال کریچے وزاری میاں
باری برہ وبائی کاری سانوں گل چا گھتیوئی گاری میاں
واری یار تیں توں سوواری ونجاں دوستی وچ گھتیں متاں گھاری میاں

اس عشرتِ عشق نے یار مرے دنیا میں کیا بدنام میاں
یہ تیر ترازو دل میں ہوا، کیا عشق تبے زیرِ دام میاں
یہ طوق گلو کی زینت ہے، تن سانس پہ ہے الزام میاں

ترا رستہ تک تک بیکل ہوں ہو سانجھ سمال کہ صباح میاں
ہاں مجھ سے دامن کش رہنا مرے سنگ ہے غم کی سپاہ میاں
شرما گیا ماہ تیرے آگے ہے دل اس سے آگاہ میاں

تری یاد میں کیا کیا ردئی ہوں نہیں کار سے کوئی کار میاں
محبوب کئی ہوں گے بے شک نہیں تجھ سا کوئی دلدار میاں
گفتار سنوں اک بار تری تب دل ہو باغ و بہار میاں

ترے سامنے عرضِ حال کروں ترے سامنے نالہ و زاری میاں
یہ ہجر کے دار و رسن جو ہیں میری جان پہ کتنے بھاری میاں
آئے فرق نہ اپنی یاری میں سو بار میں تجھ پہ واری میاں

ش شام صبح آرام نہیں، پیغام پٹھیوئی نہ سلام میاں
اکھیں خواب تمام حرام کیتا، آون دا نہ کیتوئی انجام میاں
انعام غلام دیدار تھیوے، کریں یار قبول کلام میاں

ص صورت آواز نیاز کنوں بانہاں بدھ کھڑیں بے نیاز اگوں
اتھاں ناز کنوں توں باز آویں تیڈا راز پووے کارساز اگوں
تن ساز کریں آواز رگاں، کرنی صفت تے دل نواز اگوں

ض ضرر مشر وچ عاشق، تھیا شیر شکر بھی سبھ تاں زہر میاں
شہر بحر دے وچ تنہاں دا ہو کا بھریا ہل غل ہویا اندر باہر میاں
ایہناں عاشقاں کنوں نظر گذرا ایہا بے وہم تھئے دربدر میاں

ط طور ڈاہڈی پر شور ایہا زور دی نال گھتے سو ئی زور میاں
گھم گھور تنہاں وچ جفا جوریاں، ہنیرے نال لا دیں تھیند اہور میاں
جنھاں کیف کلال کٹور پیتا اوہناں برہ بچھایا بور میاں

آرام نہیں ہے شام و سحر ترا پیام آیا نہ سلام میاں
کیا وعدۂ وصل ہوا تیرا، ہوئی مجھ پر نیند حرام میاں
انعام میں دے دیدار مجھے کر میرا قبول کلام میاں

میں باندھ کے ہاتھ کروں زاری اس بے پرواہ کے پاس میاں
بانا آجا بے پرواہی سے تیری پوری کرے رب آس میاں
گر مجھ کو نوازے ماہ رخا! پھر میں ہوں سراپا سپاس میاں

عاشق ہے خسارے میں ہر دم اسے شیر و شکر بھی زہر میاں
ہاں اس کے طفیل ترا چرچا ہوتا ہے اندر باہر میاں
تجھے ڈھونڈتی پھرتی ہیں نظریں نظروں پہ وہم کا قہر میاں

شوریدہ سری تری شور کرے نہیں عاشقوں کا کوئی زور میاں
یہ عاجز بے کس بندے ہیں تو سر تا پا ہے جور میاں
جو دُردِ تہہ ساغر پی لیں انہیں ہجر نے مارا اور میاں

ظ ظلم جہول ظہور کیتا، منظور ہویا پُر نُور میاں
ایہہ مُصحف وِچ مذکور ہویا معروف ایہو مشہور میاں
چک چور امانت عشق کیتا سر سُولی سُٹیا منصور میاں

ع عشق اجہل کیا عقل لگے توڑے کرے عقل تحمل میاں
کوئی پل نہ سوئی تحمل کرے بھنے برہ داڈ ویکھ بدل میاں
تنہن داہی عمل اصل ڈاہڈا اندوہ دے وِچ مشغل میاں

غ غازی چڑھے سر سُولی راضی، بانکے کیہی کیتی سربازی میاں
آزی کر دوڑا دن تازی اِتھاں، وت کیا کریسن قاضی میاں
کہیں دے حال نہ مِنیں تے ماضی ایہے ہی سُر جناں سرفرازی میاں

ف فال پئی عشق دے حال والی سر آدم سائی برحال میاں
حمال تھئے وِچ خیال ایہیں کیتس حال جنجال کمال میاں
کشال چائس احوال کنوں کائی سر تیس امثال میاں

ہے ظلم و جہول تو تاریکی اور نور کی صفت ہے نور میاں
یہی مصحف میں مذکور بھی ہے معروف بھی اور مشہور میاں
یہ عشق امانت جس نے کیا وہی سولی پر منصور میاں

کہاں عشق کہاں ہیں عقل و خرد منزل ہے اُلٹ دونوں کی میاں
کہاں عقل کو ہجر کی ہمت ہے عیار ہے بھیس بدلتی میاں
ہے ایک عمل ہی حقیقت جو ناری بھی ہے اور نوری بھی میاں

غازی ہیں جو دار پہ راضی ہیں کس ڈھج سے سر کی بازی میاں
وہ تازیوں کے اسوار ہوئے کیا کریں گے اب قاضی میاں
ماضی کا کہا کب مانتے ہیں یہی ان کی سرافرازی میاں

جب قرعۂ عشق پڑا آدم کے نام، تھا حال کمال میاں
حیران فرشتے پھرتے تھے کیا اس کا تھا جنجال میاں
دکھ درد مصائب سوز و الم تھی اس کی کوئی مثال میاں؟

ق قال تے باہر حال کنوں نہیں خاص جانو ہے خیال میاں
الحال وصال احوال دسے وچ وت ڈیکھیں جوڑ جمال میاں
ڈینہہ رات جنہیں دی دو سنبھال تیکوں باجھوں اہیں کہی مجال میاں

ک کائی نہیں بئی جانیکوں باجھوں ہا وہو، نہیں وا میاں
اکھیں لا اتھاں بر پا کریں ایہو ڈیکھ سارا سر و پا میاں
سر آڈیویں، چت چا اتھوں عاشق اور بازی نہ بنا میاں

ل لٹ نینوں دی بہلی سٹ میڈی دل چٹ الٹ پلٹ میاں
سانوں بھٹ گھتیو نی زلفاں وٹ سوہنا میڈا ارح نیتوں نی پٹ میاں
جُٹ لا کے سیاں پچھے ہٹ ہیاں طعنے ڈیون اسانوں سٹ میاں

م مار ترار فراق والی میکوں مار گئیوں دلدار میاں
بئی پار ارو ار دو یار تیڈی لنگھ نینہہ والی وو نظار میاں
ہوشیار ہزار ہلاک تھیون جتھاں آ ڈٹھا چمکار میاں

کہنے کی نہیں پر بات ہے یہ، ہے سارا وہم خیال میاں
اس حال وصال میں حسن بھی ہے اس میں ہے سارا جمال میاں
دن رات اسی کی یادیں ہیں اس بن جینا ہے محال میاں

یہی شور شرابا ہاؤ ہو نہیں اس کے سوا کوئی اور میاں
یہیں آنکھ لڑے یہیں مجنوں ہوں یہیں چلتا ہے عشق کا دور میاں
یہیں سر دینے کی بازی ہے نہیں راہ کہیں کوئی اور میاں

دل لوٹ لیا، پھر زخموں سے سینے کو کیا ہے داغ میاں
زلفوں میں قید کیا، اُجڑا پھر روح کے سکوں کا باغ میاں
سکھیوں نے بہت سمجھایا تھا، طعنوں کے دیئے پھر داغ میاں

ترے ہجر فراق کے دکھ سارے مجھے مار گئے دلدار میاں
ہم عشق کے دریا میں ڈوبے یہی شور ہے آر اور پار میاں
تھے لاکھ ہشیار پہ مارے گئے سب دیکھ ترا چمکار میاں

ن نسنگ، چاڑھیوئی غمزے کٹک سان تے سٹک لا فتح ساری ملک لیوے
لٹک نال میڈی دل چٹک نیتی کنہن دی پھٹک نہیں اٹک کون ڈیوے
وٹک نال زلفاں ڈاہڈا دام گھتیا جند جان میڈی جانی جھٹک نیوے

و وار کہیں توں نہ یار آسیں اقرار کریں سچا نال میڈے
ہنجوں ہار پوتا جی جار پیا اسرار کیتوئی، لگوں گال میڈے
اختیار میڈا منڈھوں یار نہیں ہکے وار آویں اج کال میڈے

ہ ہوش وچوں ملا ہوش تھیاں ڈیویں گوش میڈے وخروش ڈیہوں
سر پوش تھیویں آغوش میڈے آون والی کریں بے ہوش ڈیہوں
ہل جوش گھتیا دار و نوش تیڈے کائی گھت نگاہ آغوش ڈیہوں

ی یار آیا دل پار میڈے جنسار کرے سینگار میاں
اسرار وچوں اظہار ہویا انہاں دیداں ڈٹھا دیدار میاں
سچل سار سنبھار و جنہن دی آہی سوئی دیس ملیا دلدار میاں

بے باک تھا دھا وا غمزوں کا پھر ان کو ملی ہے کمک میاں
مرا دل تو وہیں تسخیر ہوا باقی نہیں کوئی اٹک میاں
زلفوں کے دام میں جان پھنسی جانی کب نہ دے گا جھٹک میاں

جو وعدۂ وصل کا دن ٹھہرے وہ پکا ہو اقرار میاں
ترے ہجر میں بیٹھ پروتی ہوں اشکوں کے کیا کیا ہار میاں
تکرار نہ آج اور کل کی ہو آ جاؤ بس اک بار میاں

باتیں میں تمہاری سُن سُن کر ہوں ہوش میں بھی مدہوش میاں
آغوش میں آ کر چھپ جاؤ سرمست کر دے بے ہوش میاں
مے ہجر کی شور بشر ابا ہے کرو وصل سے اب خاموش میاں

وہ حسن سراپا بن آیا جی خوش ہوا دیکھ کے یار میاں
اسرار سے جو اظہار ہوا آنکھوں نے کیا دیدار میاں
جس روپ میں اس کو سوچا تھا اس رنگ میں ملا دلدار میاں

الف آب اواگھ کوں واگی ایہیں واڈاہڈی کائی موج مارئیس
تہیں موج دی کوئی انتہا نہیں چھولی چھوہ کنوں اسمان چاڑھئیں

ب بحر برہ دے دو یار چاڑھے کالے کُن کیتے کڑکار ڈاہڈے
ڈو ڈاٹ دے وِچ گھوگھاٹ لگے سرسی سِر دے تھئے تنکار ڈاہڈے

ت تن تے من دُسار ڈتیس لہریں نال آہے ڈو نہیں لُڑھ گئے
وڈ کار کیتا دریا ڈاہڈا پار و پار تہیں دے پرواز تھئے

ث ثابت پچھے اثبات کنوں باقی جان رہے دو عالم کِتھے
کِتھے نیک کِتھے بدنام رہیئے کتھے کفر کتھے اِسلام کِتھے

ج جوش آند اجر وحدت والے تھئاں موجاں کھڑیاں گونا گون کیہیاں
انہے موجاں جائیں سبھ مورتیاں وِچ واہ جلوہ گریاں و و عجب جیہیاں

چلی تیز ہوا تو موج اُٹھی پھر جانے اس پہ کیا بیتی
دھرتی سے اُٹھی تھی اور سرِ افلاک وہ پل میں جا پہنچی

اس بحر میں وہ طوفان اٹھا موجوں کی فلک تک مار ہوئی
بازی تھی سروں کی میداں میں اور کتنے سروں کی ہار ہوئی

انہیں تن من کی سُدھ بُدھ نہ رہی اور دونوں غرقِ آب ہوئے
دریا کے شناور تھے تو نہیں پر جرأت کا اک باب ہوئے

اثبات سے ہی ثابت ہوگا با ہوش تھے کتنے غلام ترے
کہاں کفران کا اسلام کہاں وہ نیک تھے یا بدنام ترے

جب جوش میں آیا وحدت کے ساگر میں کیا کیا موج اُٹھی
ہر موج میں کیا کیا مورت تھی ہر موج میں کیا کیا جلوہ گری

ح حال ہادی حق الحق ساکوں بخشا، راہ ڈیکھا ئس بار بارا
تصویر دے وچ اجسامیاں دے اوہ بحرِ عمیق سموندا سارا

خ خیال خبر ایہا پچھے ڈتی تحقیق ماریوئی اختیار سکھے
تھئی کثرت موجاں وچوں ڈیکھو یار و دریائے وحدت ودھکے

د دل میڈی کوئی دَور کھاداعالم موج سالے نظر نہ آوَندے جی
میڈا خیال خمار ودھا گیا سینے وچ سموند سماوَندے جی

ذ ذات سبحان صفات وچوں پچھے ذات صفات ہکائی ہیئی
ایہا آکھ صفات تاں کھتوں آئی ہکا ہک جائیں دو بھائی ہیئی

ر رُخ پیار رنگ اُتے تھئی موج کھڑی چھولیں چھول پیئے
خس خار اتارا ودھا ڈتس سارا بحر وچوں بدنیک گئے

اس ہادی حق الحق نے ہمیں کیا سیدھی راہ دکھائی تھی
دکھلائی دنیاداری بھی اور ساگر کی گہرائی بھی

پھر حال حقیقت ہم پہ کھُلا یہ بات سمجھ میں تب آئی
یہ موجیں کثرت وحدت کی، وحدت دریا کی گہرائی

دنیا نے دیئے وہ رنج والم مستی کا کہیں منظر ہی نہ تھا
سرمستی من کی ایسی تھی کئی ساگر من میں گئے سما

پہچان لو اس کی سب صفتیں وہ ذات تو ایک اکیلی ہے
یہ روپ سروپ ہیں کیا کیا کچھ یہ دنیا ایک پہیلی ہے

جب ساگر میں طوفان اُٹھا رخ روشن ہوا حقیقت کا
خاشاک کا واں پہ ذکر ہی کیا نیکی کا بدی کا فرق مٹا

ز زور تے بحر زخار آندا تہیں وچوں نتھیا کوئی نطار کھڑا
اوہیں شور مچایا آسمان تائیں دِسکار دا تھیا وو غبار کھڑا

س سیر ایہیں دا جہیں سیر کیتا تہیں دی جند ساری ناپید تھئی
کِتھے نام و نشان نسب تہیں دا "من" "ما" دچوں لے دی پھوک گئی

ش شور مچایا وو موج ڈاہڈا ہئے زور جھلن دی وو جا نہیں
برابر زمیں اسمان کیتیس ڈتی کنی تہیں دی وو کا نہیں

ص صورت گم ہوئی وو ساری لہریں پیا پیئے وو چڑھ بیٹیاں
کائی خبر انہاں وو لوندی نہیں نور و نور دیاں ندیاں آئیاں

ض ضرب بحر دی وو زور لگی ہکے وار وجود اوڈار ڈتس
"میں" دی ہک رتی کتھ رہندی اُتھاں سارا نام نشان اتار ڈتس

جب جوش سمندر میں آیا اس میں تھا کوئی نظارہ کھڑا
وہ شور تھا اس کا، جو، بن کر افلاک تلک تھا غبار کھڑا

دی جان اسی نے جس نے ہمارے دل کو اطمینان دیا
نے نام ونسب نے حیات کوئی نہ اس نے کوئی نشان دیا

وحدت کے سمندر کی موجیں کیا شور مچاتی پھرتی تھیں
دھرتی سے لے آکاش تلک کوئی فرق رہا تھا؟ نہیں نہیں

وحدت تھی کثرت میں کھوئی کثرت کی موجیں چڑھ دوڑیں
ان چڑھتی نور کی ندیوں میں سب اصلی باتیں کھو ڈالیں

اس بحر کے ایک تھپیڑے نے اس ہستی کو ہی مٹا ڈالا
اس "میں" کی رتی کیا رہتی اس بستی کو ہی مٹا ڈالا

ط طالب وچ عمیق پئے ڈوہیں کنڈھیاں اوہیں کنوں بھل گیاں
پچھے دس اوہیں دا دوکوئی نہیں موجاں موج تکھیریاں آ پئیاں

ظ ظاہر دی ایہا بات نہیں جو آیا اوہیں کوں ایہا سُدھ پئی
پچھے سُدھ والا موجود نہیں دوئی والڑی گالھ نکال گئی

ع عشق عمیق دریا وچوں آئی موج ہکا ماریا نعرہ ہُو
تے میں ہک آہس اور کوئی نہیں "انا الحق" دا ہیں نعارا ہُو

غ غش غریق دے وچ تھیاں کتھ جسم رہیا کتھ جان کتھے
کتھے شکل رہی کتھے عقل رہیا کتھے فہم کتھے اوسان کتھے

ف فکر فنا دا کیوں نہ رکھیں تا ملک بقا باللہ لئیں
چھوڑ آپ کوں آپ وسار سارا جائیں ہک خدا دے رنگ رہیں

جنہیں طلب تھی اس گہرائی کی موجوں کے سہارے چل نکلے
موجوں نے ہی ان کو گھیر لیا ان کے سارے کس بل نکلے

ظاہر تھی اس کی وحدت بھی دوئی کی کوئی بات نہ تھی
جو آیا تھا یہ سمجھ جاتا اس کے پیچھے کوئی گھات نہ تھی

اس بحر سے موج اک اٹھی تھی تھا اس کا ایک ہی نعرہ ہُو
تھا ایک اناالحق کا نعرہ اور وہی تھا پھر نقارۂ ہُو

تہہ دریا غرق تو ہونا ہے پھر جسم کہاں اور جان کہاں
کہاں شکل رہے کہاں عقل رہے کہاں فہم رہے اوسان کہاں

جب یہ جگ سارا فانی ہے پھر فکر فنا ہو کیوں دل میں
باقی ہے نام خدا جس کا رنگ ایک نہیں اس محفل میں

ق "قل ہو اللہ احد" ہیئی جانیں، سمجھ سنجانیں کوئی اور نہیں
کھڑ وحدت دے دریا دے وچ ایہو آپ ہے دی ٹور نہیں

ک کتھ توڑی میں چھپیاں، ایہا گالھ ہادی والی ہن چھپدی نہیں
تھیسی ظاہر آپوں آپ ایہا، ہئی زوراساں کنے لکدی نہیں

ل لہریاں بحریاں زور پئیاں، وس کوئی نہیں میں لڑھ گئی
ڈاہڈیاں موجاں چڑھیاں پرہ والیا اُنھاں ہستی گم ساری جاں موج تھئی

م مے پیون نال موج چڑھی کوئی خمر ادیں، وو خمار ڈِتا
مدہوش کیتس کل ہوش گیا ایہیں عیش سارا اعتبار ڈِتا

ن نام نشان آثار ڈِتس گئے رنگ ہمہ بے رنگ رہے
غوطہ مار کے جو ای غرق تھئے آزاد کنوں رنگ رنگ تھئے

کہو ایک ہے رب کوئی اور نہیں اسی روپ ہیں اس کو جانو تم
ہے روزِ ازل سے دریا میں ہر بھیس میں اس کو مانو تم

جو بات بتائی مرشد نے وہ بات چھپاؤں میں کب تک
اس کا چھپنا اب بس میں نہیں ہو جائے گی ظاہر وہ سب تک

میں موجِ بلا میں بے بس تھی مجھے ساتھ بہاتی لے نکلی
نہیں کوئی وجود مرا باقی میں بحر کی موج میں موج ہوئی

یہ موج اٹھی مے پینے سے اس خم نے کتنا خمار دیا
ہم پہنچے یقیں کی منزل تک جب ہوش کو سر سے اتار دیا

نہ نام و نشان رہا باقی سب رنگ گئے بے رنگ ہوئے
جو غرق ہوئے ان موجوں میں، اُن موجوں کے وہ سنگ ہوئے

و واگی تھی موج کھڑی، بحر زور پیئے چھولیاں چھٹک پئیاں
ایہا ہکل ماریں، انا البحر آکھیں باراں دیاں ندیاں تیز پئیاں

ہ ہادی عبدالحق سائیں سچی راہ سانوں سمجھا گیا
تساں غیر نہیں سراپا جانیں اوہو آپ ہیں پڑھا گیا

ی یاد رہیاں گالھیں وحدت دیاں جھیڑیاں آپ ہادی فرما ڈیتیاں
سچو حق ایہیں کل شک بھنے اوہیں رازدیاں گالھیں جما ڈیتیاں

چلی تیز ہوا تو موج اٹھی ہر چیز اس میں نابود ہوئی
ندی نے کہا میں سمندر ہوں، مسعود ہوئی محمود ہوئی

مرا سائیں عبدالحق ہادی اک سیدھی راہ دِکھلا گیا وہ
ہم آپ ہیں وہ کوئی غیر نہیں یہ بات ہمیں سمجھا گیا وہ

جو مُرشد نے بتلائی ہیں یہ باتیں دل پہ بٹھائی ہیں
سچ حق نے شک کو مٹا ڈالا یہ باتیں کیا سمجھائی ہیں
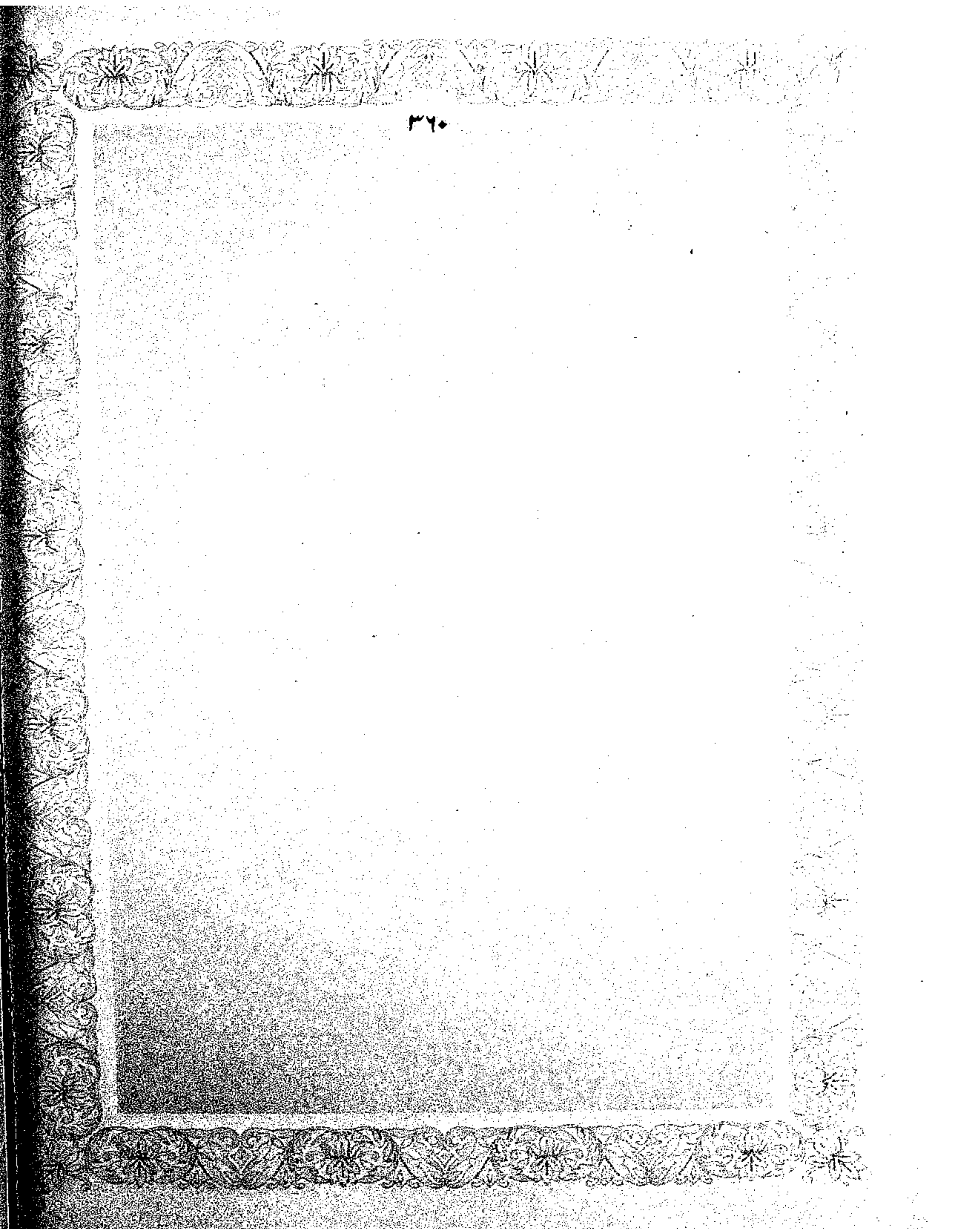
فارسی

- غزل دیوان آشکار
- رباعی 〃
- مثنوی، عشق نامہ، وصلت نامہ

گر بخوانی دوصد ہزار کتاب
مے شود بر تو صد ہزار حجاب

جز محبت ہمہ ست گمراہی
اے بجز درد، زندگی ست عذاب

ایں طریقہ کدام مے باشد
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت و نہ حساب

آشکارا گذر ز مذہب ہا
در رہِ عشق چہ گنہ چہ ثواب

پڑھ بھی لے گر تو صد ہزار کتاب
آڑے آئیں گے صد ہزار حجاب

جُز محبت ہے ساری گمراہی
ہو نہ گر درد، زندگی ہے عذاب

یہ طریقِ حیات کیسا ہے
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت اور نہ حساب

آشکارا گریز مذہب سے
عشق کی راہ میں گنہ نہ ثواب

در هر دو جہاں شرارِ عشق است
زیں شمس و قمر بہارِ عشق است
از کرسی و عرش تا ثُریٰ ہم
ایں جملہ مرغزارِ عشق است
بینی بجہاں چوں خوبرویاں
دانی کہ ہمیں نگارِ عشق است
جُز یار دگر طرف نہ بیند
آں دیدہ کہ پُر خمارِ عشق است
تاجِ سرِ ماست آشکارا
آں خاک کہ رہگذارِ عشق است

دونوں جہان میں ہے فقط عشق کا شرار
یہ شمس یہ قمر ہیں سبھی عشق کی بہار
عرشِ بریں سے خاک کی پاتال تک جو ہے
ہر ہر جگہ پہ عشق کا پھیلا ہے مرغزار
دنیا میں دلبرانِ پری چہرہ دیکھئے
ہر اک پہ ہے گماں کہ ہے یہ عشق کی نگار
جُز جانِ جاں کسی پہ بھی پڑتی نہیں نگہہ
اِس آنکھ کی کہ جس میں بسا عشق کا خمار
اے آشکار اپنے تو سر کا وہ تاج ہے
جو رہگذارِ عشق میں ہے خاک کا غبار

مے کشد عاشق براہش انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار

کارِ عاشق روز و شب باشد ہمیں
اشکبار و اشکبار و اشکبار

آں کسے کز خود رہد مردِ خداست
شہسوار و شہسوار و شہسوار

مجلسِ غم داشتن عشّاق را
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار

مے شود عاشق ز عشقش دمبدم
بے قرار و بے قرار و بے قرار

سرِّ مخفی راز پنہاں فاش شد
آشکار و آشکار و آشکار،

اس کی رہ میں عاشقوں کا انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
روز و شب عاشق کا کاروبار ہے
اشکبار و اشکبار و اشکبار
"میں" سے جو نکلا ہے وہ مردِ خدا
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم کا کرم عشاق پر
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
عشق نے ہر لحظہ عاشق کو کیا
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سرِ مخفی، رازِ پنہاں فاش ہے
آشکار و آشکار و آشکار

مے زنم نعرہ اناالحق آشکار
اندریں آخر زماں منصوروار

کوس منصوری بکوبم در جہاں
گر رود سر، خوشترم باشد نثار

ہر کہ محروم است از اسرارِ عشق
کے شود از عاشقانِ دلفگار

نوبتِ آں بادشاہی مے زنم
شہریارم، شہریارم شہریار

سدِ اسکندر بود ایں جسم و جاں
بشکنی فتحت شود اے نامدار

میرا نعرہ ہے انا الحق آشکار
اس زمانے میں ہوں میں منصور دار
کوسِ منصوری بجاؤں روز و شب
سر اگر جائے تو میں اس کے نثار
جو رہا محروم سرِّ عشق سے
کب ہوا وہ عاشق سینہ فگار
نعرہ زن ہوں نوبتِ منصور پر
شہریاری مجھ سے، میں ہوں شہریار
جسم و جاں تو راہ کی دیوار ہیں
توڑ کر ہو فتح مند، اے نامدار

مے کنم از عشق در ہر کوچہ و بازار رقص
چونکہ مے آید تن و جاں را ازاں اسرارِ رقص

از نوائے چنگ و نے طنبور شیدا مے شود
دم بدم شد زاہدا در خواب در بیدار رقص

از وظائف از لطائف معرفت حاصل نہ شد
روز و شب از درد و غم مشغول اندر کارِ رقص

گر بیائی سوئے ماہ شدار از خود مے روی
اندریں مے خانہ چوں مستاں کُنی یک بار رقص

وقتِ حالت نیست ہر دم تا ندانم کے شود
آشکارا ہم چوں شہہ منصور کن، بر دارِ رقص

عشق کے ہاتھوں ہم نے کیا ہر کوچے ہر بازار میں رقص
تن من جان اسرار گئے گو طرز رہی اظہار میں رقص
ایک نوائے چنگ و نے کے تم تو ہوئے ہو شیدائی
رقص کرو گے خواب میں بھی اور لمحۂ بیدار میں رقص
کیسے وظائف، کیسے لطائف، ان سے بھید نہ پاؤ گے
شام و سحر اس رنج و الم کا ساتھ ہو گا تکرار میں رقص
مستوں کی محفل میں آنا ہے تو خود کو بھول کے آ
اس مے خانے میں تو جاری ہے بس ایک ہی تار میں رقص
وہ تو مقام نہیں ہے لیکن کیا جانوں کب آ جائے
دار پہ ہو منصور کی صورت میری ہر رگ تار میں رقص

در دیدۂ معشوقاں اسرار ہمے بینم
وا جلوہ گری حُسنش اظہار ہمے بینم
درکون و مکاں باشد حقّا کہ ظہورِ او
در دیرِ خراباتی دیدار ہمے بینم
ایں جملہ تجلّی او گر دیدہ بکشائی
دیوار چہ دروازہ آں یار ہمے بینم
اے شیخ گرو باید تسبیح و مُصلّا را
یک لمحۂ نورِشں در زنّار ہمے بینم

محبوب کی آنکھوں میں اسرار کو دیکھا ہے
اس حُسن کے جلوے میں اظہار کو دیکھا ہے
یہ کون و مکاں بے شک اس کا ہی تو جلوہ ہیں
اس دیرِ خرابی میں دلدار کو دیکھا ہے
کھول آنکھ، نگاہوں میں یہ اس کی تجلّی ہے
دیوار ہو یا در ہو، اس یار کو دیکھا ہے
اے شیخ گرو رکھ دے تسبیح و مصلّا کو
اس نور کو دیکھا ہے زنّار کو دیکھا ہے

بزرگی، پارسائی را نہ دانم
عداوت آشنائی را نہ دانم
کہ گم گشتیم در دریائے حیرت
ہماں جا چوں چرائی را نہ دانم
چوں رفتم از تنِ خاکی بیک بار
برائے خود، خود نمائی را نہ دانم
بگیرم راہِ عشق و درد و غم را
ہماں زہد ریائی را نہ دانم
اگرچہ شعلۂ نورش بہ بینم
سیاہ و روشنائی را نہ دانم
کجا رفتم زخود رفتیم بارے
گدائی بادشائی را نہ دانم

بزرگی پارسائی کو نہ جانوں
عداوت آشنائی کو نہ جانوں
میں گم دریائے حیرت میں ہوا ہوں
جہاں چوں اور چرائی کو نہ جانوں
تن خاکی کو جب یکبار چھوڑوں
تو بے خود خود نمائی کو نہ جانوں
مری رہ، عشق کے رنج والم ہیں
میں اس زہد ریائی کو نہ جانوں
اگرچہ اس کا شعلہ دیکھتا ہوں
سیاہی، روشنائی کو نہ جانوں
بچھڑ کر خود سے میں جانے کہاں ہوں
گدائی بادشائی کو نہ جانوں

دلا لقائے خدا ہست لقائے درویشاں
دگر فنائے بباشد بقائے درویشاں
مپیچ روئے ز دروازۂ گدایاں، تو
بباش روز و شباں در قفائے درویشاں
مرو بمجلسِ شاہاں کہ جائے پُر خلل است
مگر کہ بے خلل است ایں بنائے درویشاں
بسوئے دنیائے دوں میل دل نمے آرند
کہ ہست طائفہ بے ریائے درویشاں
مباش دُور دمے زاں گروہِ خاص الخاص
اگر زما پُرسی خود خدائے درویشاں
ببیں جماعتِ مردانِ آشکارا تُو
مگر کہ مرد شوی از دعائے درویشاں

دِلا لقائے خدا ہے لقائے درویشاں
فنا بھی ہے تو ہے وہ بھی بقائے درویشاں
نہ مُنہ تو پھیر کے جا محفلِ گدایاں سے
قیام شام و سحر کر قفائے درویشاں
خلل سے خالی نہیں مجلسِ شہاں، مت جا
جو بے خلل ہے تو وہ ہے بنائے درویشاں
جہانِ سِفلہ کا کوئی گلہ نہیں کرتے
کہ ہے یہ طائفہ بے ریائے درویشاں
نہ ایک پل کے لئے ان سے تم جدا ہونا
جو ہم سے پوچھو تو خود ہے خدائے درویشاں
یہ اک جمعیتِ مردانِ آشکارا ہے
جو مرد ہے تو بفیضِ دعائے درویشاں

نہ من دیندارِ بے دینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ از آنم نہ از اینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ ہندیم، نہ سندھیم نہ پنجابی نہ دکھنی ام
نہ من از ملکِ قسطینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ عربی ام، نہ شامی ام، نہ مصری ام نہ رومی ام
نہ از چینی و ماچینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ شیرازی نہ حلبی ام نہ ایرانی نہ تورانی
نہ من از خاکِ غزنی ام چہ مے دانید اے یاراں
بہر مظہر نگار آمد، نہاں بُد آشکار آمد
عجب اسرار مے بینم چہ مے دانید اے یاراں

بے دین ہوں دیندار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
اِس پار کہ اُس پار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہندی ہوں نہ سندھی، نہ پنجابی ہوں نہ دکھنی
نے تُرکِ طرحدار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
عربی ہوں نہ شامی ہوں نہ مصری ہوں نہ رومی
اور چین کا انکار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
شیراز و حلب، فارس و توراں سے نہیں ہوں
غزنی کا نہ پردار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہر رنگ میں وہ ہے کہ نہاں ہے کہ عیاں ہے
میں دیدۂ اسرار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ

آں یارِ ما بصورتِ انساں برآمدہ
غازی شدہ مقابلِ میداں برآمدہ

گہ تخت برہوائے بدیو دپری بُرد
بارے دگر بشکلِ سلیماں برآمدہ

ازعشق آں نمودہ مقام بجھنگ سیال
رانجھو صفت زتخت ہزاراں برآمدہ

دیدہ جمالِ خویش بخود مست شد چناں
شیدا و والہ و ہمہ حیراں برآمدہ

آں آفتاب حسن بہ عالم ظہور کرد
یوسف بمصر از چہ کنعاں برآمدہ

وہ یار تھا کہ صورتِ انسان آ گیا
غازی تھا اور برسرِ میدان آ گیا
جن و پری تھا اڑتا رہا لے کے تاج و تخت
پھر آ گیا بشکلِ سلیمان آ گیا
عشق اس کا جھنگ سیال، میں رانجھو صفت تھا وہ
ہاں چھوڑ کر جو تخت ہزاران آ گیا
اپنا جمال دیکھ کے اتنا وہ مست تھا
شیدا و والہ خود پہ ہی حیران آ گیا
وہ آفتابِ حسن جو چمکا جہان پر
جوں مصر میں وہ یوسفِ کنعان آ گیا

در دلِ عشاقہا ایں بے قراری تا بہ کے
نالہا، فریادہا و زاروزاری تا بہ کے

وز ملامت، وز شکایت سر نمے پیچیم ما
در رہت ایں دیدہا را انتظاری تا بہ کے

دُل دل عشقت ربود از ما زمامِ اختیار
اختیارم رفتہ است بے اختیاری تا بہ کے

اے زتیغِ ناز و غمزہ عاشقاں را مے کشی
بر سرِ مشتاقہا ایں حکم جاری تا بہ کے

از طرف دلدار آمد آشکارا ایں جواب
کز غمِ ایامہا را مے شماری تا بہ کے

عاشقوں کے دل میں ایسی بے قراری کب تلک
ایسے نالے، اتنی فریادیں یہ زاری کب تلک
ہر ملامت، ہر شکایت اپنے سر پہ جھیل لی
ہاں سرِ راہِ وفا یہ انتظاری کب تلک
چھین لی ہے عشق نے ہم سے زمامِ اختیار
اختیار اپنا چھنا، بے اختیاری کب تلک
کر رہے ہو عاشقوں کو قتل تیغِ ناز سے
اپنے مشتاقوں پہ لیکن حکم جاری کب تلک
آشکارا یار نے، دلدار نے کہلا دیا
کر سکو گے روز و شب کی غم شماری کب تلک

عشق بے نام و نشان ست تو خود مے دانی
ذاتِ آں عین و عیان ست تو خود مے دانی

عاشقاں رقص کناں بر درِ تو مخمور اند
گریہ و نالہ فغان ست تو خود مے دانی

اندریں دردِ فراقت، عمرم مے گذرد
ایں عیاں را چہ بیان ست تو خود مے دانی

زیستن جز تو دریں عالم دشوار بسے است
حالتم ہیں کہ چنان ست تو خود مے دانی

آشکارست کہن سال بدانی صنما
در خیالِ تو جوان ست تو خود مے دانی

عشق بے نام و نشاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
ذات ہی عین و عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

تیرے عُشاق ترے در پہ ہیں اب رقص کناں
ہر طرف شورِ فغاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

زندگی کاٹ رہا ہوں میں تری فرقت میں
کوئی محتاجِ بیاں ہے ؟ تمہیں معلوم تو ہے

جینا دشوار ہے دنیا میں مجھے تیرے بغیر
میری حالت سے عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

آشکارا ہے کہن سال مگر جانِ جہاں
یاد میں تیری جواں ہے تمہیں معلوم تو ہے

ساقیا ده مرا پیاله شراب
تا شود محو زو گناه و ثواب
کن مرا مست در جهاں ہیچو ں
دل گداز و ہمیشہ چشم پر آب

ساقیا' آزاد تو ز ہستی کن
لیل و نہار مرا بمستی کن
بے خبر از دو عالم ہیچوں
چہ بلندی و چہ ز پستی کن

ساقیا' از مے لبا لب کن ایاغ
خاطر از بوئش شود چوں باغ باغ
بسکہ غم دارم ز دوری یارِ خویش
یاد مے جوئم کہ چشمش چوں چراغ

ساقیا دے مجھے پیالہ شراب
بھول جاؤں میں سب گناہ وثواب
مست کر اس طرح سے دنیا میں
دل ہو پُرسوز چشم ہو پرآب

ساقی مجھے آزاد تو کر ہستی سے
بھر دے یہ مرے شام و سحر مستی سے
رشتہ نہ رہے دونوں جہاں سے میرا
چھٹ جاؤں بلندی سے بھی اور پستی سے

ساقیا بھر دے لبالب یہ ایاغ
اس کی خوشبو سے یہ دل ہو باغ باغ
دردِ ہجراں، جستجو اس یار کی
جس کی آنکھیں ہیں کہ جلتے ہیں چراغ

آں خدا بخشید اُو را شوقِ عشق
آں تعالیٰ داد اُو را ذوقِ عشق

آں کہ آدم ہست سالارِ فلک
داد سجدہ آں زماں اُو را فلک

کرسئ یزدان ایں آدم بود
چونکہ از آدم ہمہ عالم بود

ہست آدم در دو عالم سرفراز
ہست آں جا و ہم ایں جا شاہباز

صد سلاطیں، را کہ مجنوں مے کند
در جہاں مجنون و مفتوں مے کند

عالمان و قاضیان و مفتیاں
صد فلایاں مے شود مجنوں ز آں

رب نے بخشا اس کو سارا شوقِ عشق
اس نے آدم کو دیا ہے ذوقِ عشق

ہاں وہی آدم ہے سالارِ فلک
اُس کو اُس دم سجدہ کرتے تھے ملک

کرسئ یزداں بھی آدم تو تھا
ایک اس کے دم سے ہی عالم تو تھا

آدمی دونوں جہاں میں سرفراز
اس طرف یا اس طرف ہے، شاہباز

عشق نے شاہوں کو مجنوں کردیا
عشق نے دنیا کو مفتوں کردیا

قاضی و مفتی و عالم ہیں غلام
عشق لاکھوں کے جنوں کا ہے امام

ہر کجا آں شاہ عشق خیمہ زد
ہر کسے را زیرِ فرماں آورد

عقل را آں جا نہ جائے رفتن است
ہم ز ایماں کیش دیں برگشتن است

عشق شاہ است و عقل دربانِ او
ایں سپاہی یک بود سلطانِ او

عشق مے باشد ہمہ آگاہِ راز
عشق اندر ہر دو عالم شاہباز

اے پسر جز عشق دیگر راہ نیست
عشق سلطان است دیگر شاہ نیست

عشق جسم و جان را سازد فنا
از فنا مے آورد سوئے بقا

عشق خیمہ زن جہاں پر ہو گیا
ہر کوئی طاعت میں اس کی کھو گیا

عقل کا واں تک پہنچنا ہے محال
دین و ایماں کا نہیں رہتا سوال

عشق شاہ اور عقل واں دربان ہے
یہ سپاہی ہے تو وہ سلطان ہے

عشق سر سے پاؤں تک آگاہ راز
عشق ہے دونوں جہاں میں شاہباز

اے پسر جز عشق کوئی رہ نہیں
عشق ہے سلطان کوئی شہ نہیں

عشق جسم و جاں کو پیغام فنا
ہے فنا دراصل پیغام بقا

عشق دریائے ست بے پایانِ آں
موج اندر موج آرد بے کراں

عشق آں از بطن آگاہی دہد
گہہ گدایاں را شہنشاہی دہد

عشق را دانی کہ شعلۂ آتش ست
در دلِ پروانہ آتش چہ خوش است

عقل گوید وِرد را ہر روز خواں
عشق گوید ایں ہمہ باشد زیاں

عقل گوید طاعت و تقویٰ بکُن
عشق گوید خویش را رسوا بکُن

عشق گوید از ملامت دور باش
عشق گوید ملحدِ مشہور باش

عشق ہے دریائے ناپیدا کنار
موج اندر موج بے حد و شمار

عشق اندر کی ہے ساری آگہی
بخش دیتا ہے گداؤں کو شہی

عشق ہے یا شعلۂ جوّالا ہے
دیکھ کر پروانہ ناچے پے بہ پے

عقل کہتی ہے کہ ہر دم وِردکر
عشق کہتا ہے زیاں ہے سربسر

طاعت و تقویٰ کی باتیں عقل کی
عشق کہتا ہے ہو رسوائی تری

عقل کہتی ہے ملامت سے ہو دور
عشق کہتا ہے کہ ملحد ہو ضرور

عقل مے گوید بُرو انگن نقاب
عشق مے گوید بروں شو از حجاب

عقل گوید سجہ و سجّاد دار
عشق گوید کن تیاری سوئے دار

عقل گوید از بدی پرہیز کُن
عشق گوید نیک و بد آمیز کُن

عقل گوید پارسائی کُن بسے
عشق گوید بے نوائی کُن بسے

عقل مے گوید تو در ہستی بیا
عشق مے گوید تو در مستی بیا

عقل را دانی کہ در تقلید شُد
عشق را خوانی کہ صد توحید شُد

عقل کہتی ہے کہ لے منہ پر نقاب
عشق کہتا ہے کہ چھوڑو سب حجاب

عقل کہتی ہے کہ کر تسبیح نماز
عشق بولے دار پہ ہو سرفراز

عقل کہتی ہے بدی سے بچ کے چل
عشق چاہے نیک و بد ہوں یک عمل

عقل کہتی ہے کہ بن جا پارسا
عشق کہتا ہے، سراپا بے نوا

عقل کہتی ہے کہ آ ہستی میں آ
عشق کہتا ہے، نہیں، مستی میں آ

عقل کیا ہے سرتاپا تقلید ہے
عشق کیا ہے نعرۂ توحید ہے

ملک و جاہ و تخت خواہی در جہاں
کے شوی تو از گروہِ صوفیاں

با غلامانِ لطیف و تختِ زر
کے شوی از راہِ معنیٰ باخبر

با سپاہ و لشکر و طبل و علم
کے رسی در خوانِ فضلِ ذوالکرم

با سوارانِ دلیر و کرّ و فر
کے رسی در راہِ مرداں اے پسر

با حکیمان و ندیمانِ جہاں
کے رسی اندر طریقِ عاشقاں

پردہ را اوّل زخود تو باز کُن
وانگہے برخیز و رہ را ساز کُن

تاج و تخت اور ملک بھی تجھ کو ملے
صوفیا سے پھر ہوں کیسے رابطے

ہوں غلاموں کے گروہ اور تخت زر
راہ معنی سے رہے گا بے خبر

یہ سپاہ یہ لشکر و طبل و علم
کیسے ہو گا تجھ پہ فضل ذوالکرم

شہسواروں کا یہ تیرے کر و فر
راہِ مرداں تک نہ پہنچے گا پسر

یہ حکیمان و ندیمانِ جہاں
کیسے سیکھے گا طریقِ عاشقاں

اپنے چاروں اور سے پردے ہٹا
پھر قدم اس راہ پر اپنا اٹھا

روز نورِ عشق شمع بر فروز
پرده ہا را سر بسر کلی بسوز

چوں بسوزی پرده ہا را اے قباد
آں زماں گردی ز وصلِ دوست شاد

چوں ترا پیدا شود آں بحرِ نور
ہر دو عالم از دلت گردد نفور

بادشاہی و بزرگی ایں جہاں
مختصر گردد بہ پیشت اے جواں

ایں سرا و باغ چوں زنداں شود
سود ایں عالم ہمہ خسراں شود

ایں زر و ایں گنج و ملکِ بے شمار
جملہ در چشمِ تو گردد ہمچو مار

عشق کی لَو سے منور کر چراغ
پھر جلا دے اس سے پردے داغ داغ

اے شہنشاہ جب یہ پردے جل بجھیں
وصل کے لمحے تجھے اس دم ملیں

سامنے آئے گا جب دریائے نورؔ
ہر دو عالم سے یہ دل ہو گا نفور

اس جہاں کی بادشاہی، عزّ و جاہ
بے حقیقت ہوں گے جیسے گردِ راہ

ہوں گے زنداں قصر یہ، یہ گلستاں
اس جہاں کا سُود بھی ہو گا زیاں

ملک و گنج و زر یہ تیرا بے شمار
سانپ بن کر آنکھ میں کھٹکے گا خار

ایں سخن از جان و دل تو کن قبول
تا شود فردا شفیع تو رسول

ایں سخن راہِ سلوک است و یقیں
تا شود علم الیقیں عین الیقیں

اے ز وصلت عاشقاں آشفتہ کار
ہمچو منصور آمدہ در پائے دار

اے وصالت آرزوئے جانِ من
آتشے زد در دلِ ویرانِ من

اے وصالت روشنائی جہاں
اے وصالت حاصلِ صاحبدلاں

اے وصالت گشتہ بر من آشکار
مے بَرد فردا مرا در پائے دار

یہ سخن تو جان و دل سے کر قبول
روزِ محشر ہو شفیع تیرا رسولؐ

یہ سخن راہِ سلوک و صدیقیں
اس سے ہے علم الیقیں عین الیقیں

وصل سے عاشق ہیں سب آشفتہ کار
آئے ہیں منصور بن کر سوئے دار

وصل تیرا آرزوئے جانِ من
دل کے ویرانے میں آتش شعلہ زن

وصل تیرا، روشنی، اندر جہاں
وصل تیرا، حاصلِ صاحبدلاں

وصل تیرا مجھ پہ ہے اب آشکار
ہاں رسن میں دار میں ہے وصلِ یار
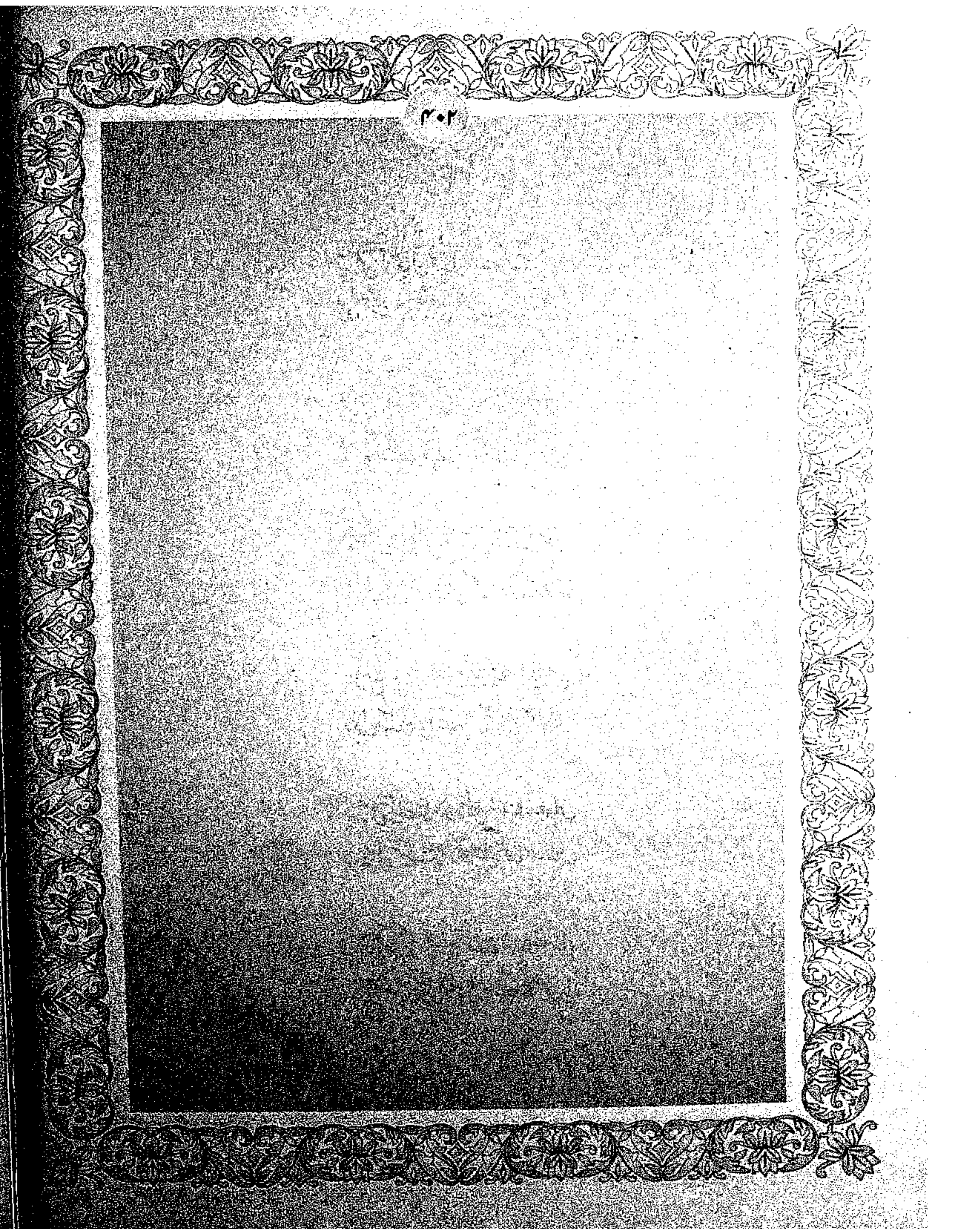
اُردو

اگر صورت میں ہے آدم، سراسر خود خدا ہو گا
کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی وہ مصطفٰےؐ ہو گا

کبھی ماتم زدہ ہے وہ کبھی ہے بزمِ عشرت کے
کبھی اسمِ حسنؓ ہے وہ، کبھی شاہِ کربلا ہو گا

کبھی ہے صاحبِ عظمت، کبھی ہنسنا کبھی رونا
کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ، کبھی وہ مرتضٰے ہو گا

کبھی تھگلی، کبھی گدڑی، کبھی اطلس، کبھی مخمل
کبھی درویش اور بیدل، کبھی وہ بادشاہ ہو گا

کبھی رونا، کبھی ہنسنا، کبھی وہ رنج و راحت ہیں
کبھی بدخواہ بدنیت، کبھی وہ آشنا ہو گا

کبھی موجیں، کبھی لہریں، کبھی اُٹھنا کبھی گرنا
کبھی دریا، کبھی کشتی، سچل وہ ناخدا ہو گا

آنے کا تیرا مجھ کو، ہے انتظار ہونا
رُخ دیکھنے کو تیرے دل بے قرار ہونا

یہ چشم ہیں شکاری کرتی ہیں قتل مجھ کو
تجھ کو ہے عاشقوں کا شوقِ شکار ہونا

تجھ بن رہی نہ طاقت، مجھ میں مرے سریجن
روزِ ازل سے یوں تھا بے اختیار ہونا

اس دل میں عشق نے ہے کیا شور و شر مچایا
فرقت میں تیری رونا ہے بار بار ہونا

آہوں سے عاشقوں کی تیرا کنارہ کرنا
ہے آگ عشق کی میں شورِ خمار ہونا

سجن غریب کیا ہے، آشفتہ اس صنم کا
درشن کو عاشقوں کا، لاکھوں ہزار ہونا

مجھ کو بتا تو قاضیا کیسا تمہارا کام ہے
تجھ کو کتابوں کی خوشی میرے لئے ماتام ہے

عاشق جلا دے آگ میں سارے کتابوں کے ورق
اک نام میرا یاد کر، یہ دوست کا پیغام ہے

مجھ کو تو مارا ہجر نے کہتا ہے تو آ پڑھ کتاب
گھر میرے اس محبوب کی آمد کا آج انجام ہے

کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ عشق ہے جس کا امام
دم بھر بھلانا دوست کو، نے عاشقوں کا کام ہے

کیا نیک نامی ہے تری اس عشق میں اے بے خبر
تیری جماعت میں ترا یرہا بہت بدنام ہے

آخر یہ مطلب پا لیا مُرشد نے یہ ہم سے کہا
بن عشق دلبر کے سچل کیا کفر کیا اِسلام ہے

حیران ہوا، حیران ہوا، اس حسن پہ میں حیران ہوا
دل کس پہ مرا نادان ہوا، نادان ہوا، نادان ہوا

ترے جلوۂ حسن سے ہر عاشق فرقت میں جلا کرتا ہے صنم
اس زہد و ریاکاری سے مرا یکبارگی دل نادان ہوا

یہ غمزہ و ناز کی فوج کشی، اے دلبر تیری خاص ادا
کیا دل پہ میرے جادو ہے کیا، کیا تن من سب مستان ہوا

یہ زلف پڑی کیوں میرے گلے، یہ پیچاں پیچ اور مارِ سیہ
رُخ مجھ سے چھپایا کیوں تو نے جب تجھ پہ یہ دل نادان ہوا

منصور ہو یا سرمد ہو صنم یا شمس الحق تبریزی ہو
اس تیری گلی میں اے دلبر، ہر ایک کا سر قربان ہوا

ہاں عشق کا تیرے ہے دعویٰ، مسکین سچل کو میرے صنم
کیا خوب تری اس اُلفت میں، مسکین سے میں سلطان ہوا

تو اپنی قدر کو پہچاں، سپہ سالار تو ہوگا
توئی اندر، توئی باہر، ہمہ اظہار تو ہوگا

اگر تو قدرِ نعمت سے رہا غافل، تو رہنے دے
مگر جب خود کو پہچانا، سدا سردار تو ہوگا

اگر منصور بن کر دہر میں مطلب کیا حاصل
انا الحق کہنے سے بے شک ہمہ دیدار تو ہوگا

جو ہے حلاج سُولی پر، ہوُا فارغ وہ ہستی سے
نڈر بن کر 'انا احمد' کیا اظہار تو ہوگا

کہاں کا تھا وہ اسکندر، ہوُا دنیا پہ جو قابض
جو جیتا ملکِ دل تو نے، سکندر وار تو ہوگا

سچل کی ذات ہے معلوم، جو سمجھا، وہی ہے تو
نہیں کوئی دوسرا دلبر، وہی دلدار تو ہوگا

انا الحق جب کہوں گا میں سرِ میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

مقرّر ہوں میسّر ہوں، قدم باہر نہیں رکھتا
ملامت بار ہے بھاری جواب سر پر اٹھاؤں گا

بتایا مجھ کو مُرشد نے نہیں تم غیرِ حق ہرگز
'ولاموجود الاھو' یہ نقارہ بجاؤں گا

مجھے جب حکم ہوتا ہے، بجا نوبت انا الحق کی
اسی عالم میں بر ہے کا تماشا اب دکھاؤں گا

ھوالظاہر ھوالباطن وہ حق موجود دو جگ میں
کہا سولی پہ جو منصور نے میں وہ کہاؤں گا

سچل تو سرّ معنیٰ ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا
دل و جاں عشق کی اس آگ میں یارو جلاؤں گا

دل ہوا ویران، دلبر آج سیلانی ہوا
سن رے زاہد! مرے دل پر داغ صنعانی ہوا

کچھ نہیں تسکین دل کو، ہجر کی ہیہات سے
کیوں نہ دیوانہ بنوں جب دور وہ جانی ہوا

ہے غنیمت مجھ کو یاد و دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں، جب یہ جہاں فانی ہوا

ہم نے دم بھر جلوہ دیکھا، دے دیا اس نے فراق
یہ وصالِ یار گویا، ابرِ آسمانی ہوا

میں گداگر پھر رہا ہوں، بہرِ جاناں دربدر
کیا خبر کس کس گلی میں، سیرِ سلطانی ہوا

شیوۂ مرداں ہے مرنا یاد میں اس دوست کی
سر سچل کا اس گلی میں کارِ قربانی ہوا

سنورے آج سر میرے برہ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرہ نیسان آیا ہے

زلیخا کی تمنا اور طلب کو دیکھ کر بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعان آیا ہے

برائے خواہشِ الفت ہوا اغیار وہ بے چوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انسان آیا ہے

گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر، زلف شانوں پر
برائے قتلِ معشوقاں وہ مع طولان آیا ہے

تجلی دیکھ کر موسیٰ[ع] ہوا مدہوش مستی میں
پلٹ کر پھر شعاعِ شمع پر پروان آیا ہے

سنبھل کر گوئے سر میداں یہ سر بھی دے سریجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سرِ چوگان آیا ہے

ملنے کو تیرے دلبر، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا، میں سربسر ہوا ہوں

پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھروں اداسی
تیرے لئے گداگر، میں در بدر ہوا ہوں

فرقت میں تیری رونا، دن رین مجھ کو حاصل
"حبل الورید" سے بھی، میں بے خبر ہوا ہوں

اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
لاتقنطوا من رحم، میں بے خطر ہوا ہوں

سمجھا تھا دور میں نے، لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں، میں در نظر ہوا ہوں

فریاد سُن سریجن، بہر خدا سچل کی
آ دیکھ حال میرا، میں پُر شرر ہوا ہوں

کس کو میں یہ سناؤں، وہ یار ہے خیالی
پوچھے نہ حال میرا کیوں دوست لااُبالی

آنکھوں میں اس کی کاجل، ہاتھوں پہ اس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جام پرتگالی

دیکھوائے دوستو تم، کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی

کرکے وہ ناز و عشوہ، عشاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھو یہ چست چالی

بے چارہ اک نہیں ہیں آشفتہ اس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں، کیا حسن لایزالی

بہرِ کرم تم آؤ، میری گلی اے دلبر
دن رین تیرے در پر، ہے سگ سچل سوالی

یار مرا ہر صورت رنگا رنگی آپ دکھائے گا
ملّا ہو یا قاضی ہو یا پھر سے تلک لگائے گا

حافظ بن کر حفظ کرے گا، پوتھی بھی وہ پڑھائے گا
جوگی بن کر، جوگ کما کر، گنگا پر بھی جائے گا

ہاٹ پہ آ کے بیٹھے گا اور پھر سے بانگ سنائے گا
لُوں لُوں دے وِچ لالی لا کے، پیالہ عشق پلائے گا

شاہی نام جو آپ پہ دھر کر سارا دیس دبائے گا
مفتی بن کر، فتویٰ دے کر، سولی پر لٹکائے گا

کب کب پائے برہنہ بن کر، کو نتل پھیر کدائے گا
ساگا جوڑ سناسی پھرتا، سامی نام سنائے گا

تجلّی کیوں نہ پچھانی صورت، سارا ایک سمائے گا
نوعا نوع پوشاکاں کر کے، دلبر اس جگ آئے گا

مری آنکھوں نے، اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
نہاں ابر، اُس خورشید کا، انوار دیکھا تھا

جلایا طورِ سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ اظہار دیکھا تھا

کہا اس بار اسی نے بالیقیں کلمہ اناالحق کا
راہِ اسرار میں منصور کو بردار دیکھا تھا

جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اس مدہوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا

کنارا تھا نہ جس کا، تو سچل اس بحر میں آیا
نگوں سار اس میں ہر اک طالبِ دیدار دیکھا تھا

برہا ہے سب مشکل بازی، کون رے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اس کو، سارا ہوش گنوائے گا

نام و نشان سے بن کے بیگانہ، دلبر اس جگ آئے گا
عشق کی اس کے ہے یہ نشانی، دین اور کفر اُڑائے گا

برہا ہے جس کا ہاتھ ہے پکڑا اس کا سر کٹوائے گا
عشق کا ہے یہ عشوہ، یارو، سُولی پر چڑھوائے گا

دیکھنا ہے اب بعد میں اس کے کیسا رنگ بنائے گا
اسپِ محبت دل کے اس میدان پہ وہ دوڑائے گا

سچل سوزِ فراقِ صنم کا نت نت رنگ دکھائے گا
غم کی فوجیں کریں گی حملہ، مجھ کو برہا بچائے گا

بلبل کو برہا پہنچا، آئی ہے رُت بہاراں
فریادِ وصل اس کی ہے مثلِ بے قراراں

میں نے یہ اس سے پوچھا، عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زار زاراں

منقاد ہے گلوں پہ، پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں

بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے مرے لئے نگاراں

آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سچکی میں چھوڑدں نہیں پکاراں

کرتا ہوں اے سجن اس باب شکراللہ
اس برہا نے کیا ہے بے تاب شکراللہ

تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بے خواب شکراللہ

کیا ورد، کیا وظائف، کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوا ہوں شدّو اعراب شکراللہ

وحدت کا اڑ کے آیا شہباز میرے دل پر
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب شکراللہ

ظاہر ہو یا ہو باطن اندر ہو یا ہو باہر
سچل سپرد تیرے ہر باب شکراللہ

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا امام ہوا

کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا

ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں انگلیاں یہ کام ہوا

کیا ہے دل پہ ترے عشق نے قیام اپنا
مرا فرائض و سنت کو اب سلام ہوا

کروں میں شکرِ خدا اور پڑھا کروں الحمد
سحرؔ یہ عشق کا تحفہ ترے ہی نام ہوا

قاضی تم سے کیا میں کہوں وہ یار ہے موج دار ہوا
یار ہے موجِ دار ہوا، اِک بحر ہوا زخار ہوا

دیکھ الف کی گدڑی میں تو اوروں کو دیدار ہوا
جس کو اپنے دل کی سوجھی وہ نہ کبھی ہوشیار ہوا

سُرخی لال لبوں پر اس کے، رُخ بھی ہے محرابِ نما
جس نے دیکھا مست ہوا، مدہوش ہوا، مے خوار ہوا

اس خاکی رنگ کی گدڑی میں اور کوئی اسرار ہوا
خود کو چھپایا جُثہ میں اور خود سے خود بیزار ہوا

آیا اس چوگان میں سچل نام لیا اس دلبر کا
سُولی پر وہ سوار ہوا اور مستی میں سرشار ہوا

الفت کا شہباز صنم نے میری طرف اڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے

مُرغِ ادب کی تاب ہے اس کی، لیکن آپ چھپایا ہے
اس کا ہے ماں باپ نہ کوئی وہ نہ کسی کا جایا ہے

عرش اور کرسی پر وہ پریشاں، دھرتی پر چل آیا ہے
دردمندوں کے دل پر اس شہباز نے گھر بنوایا ہے

جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اس کے پر میں چھپے ہیں سچل پر بھی چھایا ہے

کاگا نے یہ خبر سنائی یار مرے گھر آئے گا
آئے گا وَل جائے گا، پھر تجھ کو برہا پچھائے گا

یار مرا غیور ازل سے، عاشق کو ازمائے گا
پہلے اپنا مکھ دِکھلا کر، پھر سے ہجر اُٹھائے گا

دم دم دوست دلاسہ دے کر غم کا جام پلائے گا
کس دن آپ دکھائے گا پھر کس دن آپ چھپائے گا

سچل تجھ کو دلبر اپنا خود دیدار دکھائے گا
جب تب اوّل آخر ساجن پاؤں ترے دیا ئے گا

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی

ترے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل اُلفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ دو چار دن فراقی
سیکھی کہاں سے تُو نے یہ رسم آشنائی

واپس دے دل پچل کا کوچے میں جو پڑا ہے
سینے پہ اس کے نوبت اُلفت نے ہے بجائی

Sachal Sarmast:

one of the leading mystics, is known as Haft Zuban Shair being master of seven languages. He wrote in Sindhi, Saraiki, Persian and Urdu languages.

Sachal Sarmast was born in Sindh but enjoys a large following all over Pakistan. Although he is considered a difficult poet but his general message is for the masses. He sympathises with the hardship of the common man.

Urdu versified translation of his works is being published by the Lok Virsa under its series on mystic poets.

Cover Design: Athar Rasul

زیر اہتمام
مشترکہ اشاعتی پروگرام

Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan.

Rs:750.00